سفرِ رُوح کی عارفانہ تفسیر

بحرُ الحقیقہ

مُصنّف

خواجہ احمد غزالیؒ

ترجمہ

محمد نذیر رانجھا

عتیق پبلشنگ ہاؤس ۵۵۔ اُردو نگر ملتان روڈ، لاہور ۲۵

نام کتاب ـــــ بحر الحقیقہ
مصنف ـــــ حضرت خواجہ احمد غزالی قدس سرہ العزیز
مترجم ـــــ محمد نذیر رانجھا
سال اشاعت ـــــ ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء
پرنٹرز - - - پرنٹنگ پیکجنگ اینڈ پیپر کنورٹنگ کارپوریشن اسلام آباد
ناشر - - فرزانہ بخاری ، ارم خان
قیمت - - ۴۸ روپے

لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ

فہرست

پیشِ لفظ

ڈاکٹر محمد سلیم اختر
پرنسپل ریسرچ فیلو
نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ۔ اسلام آباد

بے شمار دوسری ذوقی و وجدانی کیفیات کی طرح تصوّف کی بھی کوئی جامع ومانع تعریف ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں اکابرینِ مشائخ سے جو کچھ نقل ہوا ہے اگر اُسی کو یکجا کر دیا جائے تو ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب مرتب ہو جائے گی۔ ان تعاریف کی بنیاد پر یہاں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ تصوف خدا پرستیِ محض ہی نہیں بلکہ خدا شناسی بھی ہے، جو بالعموم تہذیبِ نفس، تقلیل و تعدیل، امیال اور تلطیفِ احساسات کے انتہائی دشوار اور کٹھن راستے پر سالہا سال کی مسافت، پیہم زہد و تعبّد و مشقت و ریاضت اور عشقِ خداوندی کے ثمر کے طور پر زبدہ ترین سالکانِ طریقت کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ سراسر حال ہے، قال نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس راہ کے جملہ راہرو ایک ہی منزل کی جانب گرمِ سفر ہونے کے باوجود اور اپنے مقصد، ہدف اور مطمحِ نظر کی مکمل یگانگت کے باوصف، جب کبھی اپنی روحانی کیفیات اور وارداتِ درونی کے بیان کی طرف راغب ہوتے ہیں تو اُن کی تحریر و تقریر میں نہ صرف ان کے انفرادی ذوق، سلیقے، لگن کی کمی بیشی اور ذاتی فہم و ادراک کی سطح کی جھلک دکھائی دیتی ہے بلکہ اپنے مخاطبین کے روحانی مقام اور اُن کے ظرف کا خصوصی احترام و لحاظ جو اُن کی نظر میں ہوتا ہے،

اس کا بھی کسی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ شیخ المشائخ مجد الدین ابوالفتوح احمد بن محمد غزالی طوسی (متوفی ۵۲۰ ہجری) کی زیرِ نظر کتاب "بحر الحقیقہ" جس کا اردو ترجمہ آئندہ اوراق میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ شرح تعرف، کشف المحجوب، کیمیائے سعادت، عوارف المعارف اور قدرے مؤخر تر مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ ایسی امہات کتب تصوف کے برعکس جن میں تصوف کی تعریف و توصیف، قواعد و عقاید، مشاہیر مشائخ کے اقوال، اصول و اصطلاحات اور مبادیاتِ طریقت میں سے مرید و مراد کے کام آنے والی بہت سی ضروری باتوں پر خالصتاً علمی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ بحر الحقیقہ، احمد غزالی کے دیگر آثار بالخصوص سوانح العشاق کی طرح اپنے محتویات و مطالب اور پیرایۂ بیان کے اعتبار سے رسائل پیر ہرات خواجہ عبداللہ انصاری، تفسیر کشف الاسرار میبدی اور زمانۂ مابعد کی کتابوں میں سے جو خود ایک حد تک احمد غزالی کے زیرِ اثر تالیف ہوئیں۔ تمہیداتِ عین القضاۃ ہمدانی، مرصاد العباد نجم الدین دایۂ رازی، آثار خواجہ یوسف ہمدانی اور لمعاتِ عراقی سے زیادہ قریب نظر آتی ہے جن میں ذاتی کیفیات کا بیان اور اُن سے مخصوص سوزِ دروں، شور و شوق، جذبہ و حالِ عشق و مستی اور ایک گونہ بیخودی و سرشاری جگہ جگہ قاری کے دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی نظر آتی ہیں، یہی نہیں بلکہ لکھنے والوں کی قادر الکلامی سحر بیان، شیرینی و شیوائی، گرمی و گیرائی اور نغزیٔ گفتار کے اعجاز نے واردات کے لطف اور رنگارنگی کو اور بھی چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ جہاں عاشقِ جگر سوختہ پاکباز کے جذبات کی ترجمانی میں نثر اپنے عجز کا اعتراف کرتی نظر آتی ہے، وہاں انتہائی برمحل اشعار اُس کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں، مثلاً

در عشق ملامتی و رسوائی به   کافر شدن و گبری ترسایی به

پیشِ ہمہ کس عاقل ورعنایی بہ   واندر رہِ ما سواد و رسوایی بہ

ما در غمِ عشق غمگسارِ خویشیم   شوریدہ و سرگشتۂ کارِ خویشیم
محنت زدگانِ روزگارِ خویشیم   صیادانیم و ہم شکارِ خویشیم

دوش آن بُتِ من دست درآغوشم کرد
بگرفت و بقہر حلقہ در گوشم کرد
گفتم صنما مز عشق تو بخروشم
لبی برلبِ من نہاد و خاموشم کرد

احمد غزالی کے افکار اور اندازِ بیان کا تلالو برصغیر جنوبی ایشیا کے بالخصوص چشتیہ حلقوں میں تخلیق ہونے والے فارسی ادب میں بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں اُس کے دو پیروکاروں سنائی اور عین القضاۃ ہمدانی کی تحریروں کی یہاں مقبولیت وپذیرائی کو خاص دخل ہے۔

حدیقۂ سنائی کے درجنوں اشعار چشتیہ سلسلے کے سب سے پہلے تذکرے — سیرالاولیاء فی محبۃ حق جل وعُلا — میں نظر آتے ہیں۔مغلیہ دور میں عبداللطیف عباسی نے اسے تحقیق وتدقیق کا موضوع بناکر اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا اور پھر انیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی کے دوران یہ کتاب پہلی دفعہ برصغیر ہی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔ دورِ اخیر میں سنائی کے جملہ نامور پرستاروں میں سرِفہرست مولانا الطاف حسین حالیؔ اور علامہ اقبال نظر آتے ہیں۔اوّل الذکر کی ملّی انحطاط پر نوحہ سرائی اور موعظانہ کلام پر سنائی کی گہری چھاپ موجود ہے۔اسی طرح اقبال نے نہ صرف سنائی کے اشعار

کو اپنے کلام میں تضمین کیا، اور اس کے اتباع میں منظومات لکھیں، بلکہ نومبر ۱۹۳۳ء میں اپنے دورۂ افغانستان کے موقعے پر اس کے مزار پر حاضری دی اور پھر مثنوی مسافر میں اُس سے اپنی بھرپور ارادت کا برملا اظہار بھی کیا۔ از جملہ

در فضای مرقدِ او سوختم تا متاعِ نالۂ اندوختم

اسی طرح ایک اور جگہ پر اقبال نے سنائی کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اِس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لُولوئے لالا

جہاں تک عین القضاۃ ہمدانی کے تاثرات کا تعلق ہے چشتیہ سلسلہ کی دو عظیم ہستیوں مسعود بک اور شیخ نور قطب عالم پنڈوی کے نام فوری طور پر صفحۂ ذہن پر اُبھرتے ہیں اوّل الذکر نے نہ صرف تمہیدات کے اتباع میں مرآۃ العارفین لکھی، بلکہ عارفانہ کیفیات میں بے محابا اظہار کے نتیجہ کے طور پر جس طرح عین القضاۃ ہمدانی ۔ حسین منصور حلاج اور شیخ شہاب الدین سہروردی مقتول ۔ کو اپنی جان کی قربانی دینی پڑی تھی، مسعود بک نے بھی برصغیر جنوبی ایشیا میں وہ روایت قائم رکھی۔ شیخ نور کے مکتوبات بھی محبوب حقیقی کے وصال کی اُسی شدید خواہش کے آئینہ دار اورامین ہیں، جو احمد غزالی اور عین القضاۃ ہمدانی کی تحریروں کا طرۂ امتیاز خیال کیا جاتا ہے۔ شیخ نور قطب عالم کی بابت اگر یہاں یہ حقیقت بھی مدِنظر رہے کہ وہ نو واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم، آپ کے نانا حضرت شاہ رفیع الدین، آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز اور مؤخر الذکر کے نامور ذہین شاگرد سید احمد شہید کے روحانی پیشوا بھی تھے، تو شیخ احمد غزالی اور عین القضاۃ ہمدانی کے برصغیر کے روحانی ادب پر اثرات کا مطالعہ اور بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔

محمد نذیر رانجھا صاحب نے، جن کی سالہا سال کی انتھک محنت کے نتیجہ میں مولانا یعقوب چرخی کے رسائل انسیہ و ابدالیہ، شاہ داعی الی اللہ شیرازی کی شرح مثنوی معنوی اور نسائم گلشن (شرح گلشن راز) اور محمد عالم صدیقی علوی کا تذکرہ لمحات من نفحات القدس وغیرہ ایسی اہم کتب تصوف قبل ازیں منصۂ شہود پر آ کر اہل نظر سے اُن کی علم دوستی کا لوہا منوا چکی ہیں۔ اب انہوں نے بحر الحقیقہ کے اُردو ترجمہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کر کے برصغیر اور ایران کے عارفانہ فارسی ادب کے درمیان تقابلی مطالعہ کا ایک اور دروازہ کھول دیا ہے۔ اللہ جل مجدہ اُن کی اِس مساعی جمیلہ کو مشکور و ماجور فرمائے اور وہ اسی طرح تشنگانِ معارف تصوف کی پیاس بجھاتے رہیں۔ آمین

اسلام آباد: ۱۳، ۵، ۱۹۸۹ء

(محمد سلیم اختر)

عرضِ مترجم

بحرالحقیقۃ (فارسی) مصنفہ خواجہ احمد غزالی قدس سرہ العزیز کے دو ایڈیشن ایران میں طبع ہوئے۔ ان میں سے ایک نصراللہ پور جوادی صاحب اور دوسرا ڈاکٹر احمد مجاہد صاحب کی تصحیح سے منصۂ شہود پر آیا۔ اوّل الذکر میں بحرالحقیقۃ پر تبصرہ اور آخرالذکر میں خواجہ احمد غزالیؒ کے احوال و آثار پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ ڈاکٹر احمد مجاہد صاحب نے بحرالحقیقۃ کے علاوہ خواجہ احمد غزالیؒ کے دوسرے آٹھ آثار کو بھی اپنے تحقیقی کام میں شامل کیا ہے۔ زیرِ نظر اردو ترجمہ مذکورہ دونوں ایڈیشنوں کو مدِّ نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

بحرالحقیقۃ کا یہ ترجمہ اپریل ۱۹۸۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور اسی زمانے میں محترم جناب پروفیسر اختر راہی صاحب اور محترم جناب عارف نوشاہی صاحب نے علیحدہ علیحدہ اس کا مطالعہ فرمایا تھا اور انہوں نے بکمال نوازش اس کی بعض مشکلات کو حل کرنے میں میری مدد بھی فرمائی تھی۔ اب جب اس ترجمہ کی اشاعت ہونے لگی تو اس کا کتابت شدہ مسودہ محترم جناب ڈاکٹر محمد سلیم اختر صاحب کی خدمت میں ارسال کیا تاکہ آنجناب اس کے لئے پیش لفظ تحریر فرمائیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود نہ صرف اس ترجمہ پر جامع اور مفید پیش لفظ تحریر فرمایا بلکہ اس کا مطالعہ کرتے وقت بعض جگہ انتہائی مناسب تصحیحات بھی فرما دیں۔ میں

ان تینوں احباب اور کرم فرماؤں کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔ اللہ کریم انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد نذیر رانجھا غفر ذنوبہ وستر عیوبہ
۱۰ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ ۱۶ مئی ۱۹۸۹ء

حالاتِ زندگی خواجہ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا نام احمد اور باپ کا نام محمد بن محمد بن احمد غزالی طوسیؒ کنیت ابو العباس، ابو الفتح اور ابو الفتوح اور لقب زین الدین، شمس الدین، شہاب الدین، مجد الدین ہے۔

ڈاکٹر احمد مجاہد نے اپنے تحقیقی مقدمہ میں غزالی کی شہرت کے بارے میں سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف ماخذ و کتبِ سیر و تذکرہ سے سترہ ایسے قول جمع کیے ہیں جن میں غزالی (با تخفیف زا،) مندرج ہے اور چوبیس ایسے مختلف شواہد اکٹھے کئے ہیں، جن میں غزالی (با تشدید زا،) آیا ہے۔

اوّل الذکر لفظ غزالی کو طوس کے ایک "غزالہ" نامی دیہات کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ "غزل" کے معنی "پشم باف" اور "پشم ریس" کے ہیں اور مؤرخین نے خواجہ احمد غزالی کے والد بزرگوار کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ پشم ریسی کا شغل کرتے تھے۔ ڈاکٹر مجاہد صاحب ان کی نسبت "غزالی" (با تشدید زا،) درست خیال کرتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ عرب اور غیر عرب لوگ اکثر "غزالی" (با تخفیف زا،) لکھتے اور بولتے ہیں لہذا یہی زیادہ مستعمل ہو گیا ہے۔

خواجہ احمد غزالیؒ کی تاریخ ولادت کا ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا۔ لیکن یہ بات اکثر تذکروں میں پائی جاتی ہے کہ خواجہ احمد غزالیؒ اور امام غزالی قدس سرہ العزیز دونوں بھائی اوائل عمر میں احمد راد کانیؒ کے شاگرد رہے ہیں۔ اس سے قیاس کیا جاتا ہے کہ معمولاً ہم عمر یا کچھ چھوٹے بڑے بچے ہی ہم جماعت ہوتے ہیں اور چونکہ امام محمد غزالیؒ کی

تاریخ ولادت ۴۵۰ھ مذکور ہے لہٰذا خواجہ احمد غزالیؒ کی ولادت ۴۵۱ھ اور ۴۵۴ھ کے درمیان ہوئی ہوگی۔ امام محمد غزالی قدس سرہ العزیز کے بارے میں اکثر کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ طابران طوس میں پیدا ہوئے لہٰذا خیال ہے کہ خواجہ احمد غزالی کی ولادت بھی اسی جگہ ہوئی ہوگی۔

کہا جاتا ہے کہ جب خواجہ احمد غزالیؒ کے والد بزرگوار محمد غزالیؒ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے دوست احمد رادکانیؒ کو اپنے بچوں کا سرپرست مقرر فرمایا اور ان کی تعلیم و تربیت رادکانیؒ کے سپرد فرمائی۔ احمد رادکانیؒ زاہد، صالح اور صوفی منش بزرگ تھے۔ انہوں نے انتہائی دیانت داری سے دونوں بھائیوں کی تربیت کی اور ان کے والد بزرگوار کا چھوڑا ہوا ترکہ ان پر خرچ کیا لیکن چونکہ وہ ایک غریب آدمی تھے، لہٰذا انہوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد دونوں بھائیوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی مدرسہ میں باقاعدہ درس حاصل کریں چنانچہ خیال ہے کہ محمد غزالیؒ جب جرجان گئے تو احمد غزالیؒ بھی ان کے ساتھ ہوں گے کیونکہ دونوں بھائی پہلے سے اکٹھے ہی پڑھتے رہے تھے اور والد بزرگوارؒ کے سایہ سے محرومی بھی اسی بات کی متقاضی تھی کہ بڑا بھائی چھوٹے کی سرپرستی کرے۔ خواجہ احمد غزالیؒ نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ شافعی مسلک کے نامور فقہاء میں ان کا شمار ہو گیا۔ مقام علمی اتنا بلند پایا کہ اقدام مدارس ”نظامیہ بغداد“ میں امام محمد غزالیؒ کی نیابت میں مدرس کے فرائض انجام دیئے گئے۔

خواجہ احمد غزالیؒ کے والد بزرگوارؒ طابران طوس میں رہتے تھے۔ ان کا شمار پڑھے لکھے لوگوں میں نہیں ہوتا تھا لیکن وہ صاحب حال ضرور تھے۔ علماء اور فقہاء کی مجالس میں اکثر شامل ہوتے اور ان کی باتیں سن کر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ درویشی اور فقر کی طرف میلان تھا۔ جب فقہاء کی مجلس میں جاتے اور ان کی باتیں سنتے تو دعا کرتے

کہ اللہ انہیں بیٹا عطا کرے جو فقیہہ بنے اور جب علماء اور خطباء کی تقاریر سنتے تو دُعا مانگتے کہ اللہ انہیں ایک فرزند دے جو خطیب اور واعظ ہو۔ بس اللہ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور محمدؒ اور احمدؒ جیسے عالی شان فقیہہ اور خطیب بیٹوں سے نوازا۔

کہا جاتا ہے کہ خواجہ احمد غزالیؒ نے جوانی میں طوس میں رہتے ہوئے علم فقہ، ریاضی اور سلوک کی تعلیم حاصل کی۔ طریقت میں شیخ ابوبکر نساج طوسی (م ۴۸۷ھ) رحمتہ اللہ علیہ کے ارادت مند ہو گئے جو ان کے بھائی خواجہ امام محمد غزالیؒ کے بھی مُرشد تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ خواجہ احمد غزالیؒ نے فقہ کی تعلیم بھی طوس اور خراسان کے آس پاس رہ کر ہی حاصل کی کیونکہ طوس سے جانے کے بعد اور بغداد کی اقامت کے دوران کے تمام حالات میں وہ ایک فقیہہ، استاد، خطیب اور واعظ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

تاریخ بغداد اور طبقات الشافعیہ کی روایت کے مطابق خواجہ احمد غزالیؒ فقیہہ تھے۔ عالم شباب طوس میں تکمیلِ علم میں گزارا، اس کے بعد عراق تشریف لے گئے۔

ابوبکرؒ (م ۵۰۱ھ) مؤلف "طبقات الشافعیہ" لکھتے ہیں کہ (خواجہ احمد غزالیؒ) علم و پرہیز گاری کے پیشواؤں میں سے تھے حتیٰ کہ کوئی ایک رات بھی بندگی (طاعات) کے بغیر نہیں گزاری۔ انہوں نے آخری عمر میں "طریقِ عشق" کو منتخب کیا اور آفاقی شہرت حاصل کی۔ "سوانح" اس موضوع پر ان کی بہترین عرفانی یادگار ہے۔

خواجہ احمد غزالیؒ مختلف شہروں اور قصبوں میں سیاحت کرتے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ شروع میں انہوں نے طوس سے عراق کا سفر کیا۔ امام محمد غزالیؒ کے بغداد سے جانے کے بعد (۴۸۹ھ سے ۴۹۸ھ) دس برس تک وہ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں ان کی جگہ درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور جب امام محمد غزالیؒ نے ۵۰۵ھ

میں وفات پائی تو خواجہ احمد غزالیؒ طوس میں ان کے پاس موجود تھے۔ ۵۰۸ھ میں تبریز اور مراغہ میں ان کے قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ جب ۵۱۵ھ میں سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے بغداد میں اپنی والدہ کی وفات کے بعد ایک مجلس ترحیم منعقد کی تو احمد غزالیؒ اس میں موجود تھے۔ اسی سال وہ ہمدان تشریف لے گئے۔ پھر قزوین میں پہنچے اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے۔ اصفہان اور اربل میں بھی ان کے قیام کا ذکر ملتا ہے۔

ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں اصفہان میں تھا۔ ایک شخص خواجہ احمد غزالیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ہاتھ سے خرقہ پہننے کی تمنا کا اظہار کیا۔ خواجہ نے اسے فرمایا تم ابو نجیب کے پاس جاؤ وہ تمہیں خرقے کے بارے میں بتائیں گے۔ بعد ازاں میں تمہیں خرقہ دوں گا۔ وہ شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اسے خرقے کے حقوق و آداب اور اہمیت سے آگاہ کیا۔ اس سے اس میں خرقہ کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور اس نے خود کو اس کا اہل نہ سمجھا اور چلا گیا۔ جب یہ بات خواجہ احمد غزالیؒ کو پہنچی تو آپ نے مجھے طلب فرمایا اور نظر عتاب سے مخاطب ہوئے میں نے اس شخص کو تمہارے پاس بھیجا تھا تاکہ تم اس کے ذوق خرقہ پوشی کو دوبالا کرو لیکن تم نے اس سے یوں خطاب کیا کہ وہ خرقہ پہننے سے منحرف ہو گیا تم نے اسے خرقہ کے جو آداب بتائے وہ اپنی جگہ درست اور ضروری ہیں لیکن اگر ہم ان آداب کو ہر ایک مبتدی کے لئے لازمی قرار دے دیں تو وہ ہرگز ان کو پورا نہیں کر سکے گا اور یوں اسے پہننے سے کترائے گا۔ ہم پر واجب ہے کہ اسے خرقہ پہنائیں اور اسے فقر کی راہ پر کھڑا کر دیں تاکہ وہ فقراء کا مشغلہ اپنا کر ان سے میل جول کرنے لگے۔ پھر ان کی صحبت کی برکت سے وہ سلوک کا راستہ اختیار کر لے اور بالآخر ان کے مقام تک پہنچ جائے۔

خواجہ احمد غزالیؒ کے پیر و مرشد ابوبکر نساج رحمۃ اللہ علیہ ۴۸۷ھ میں فوت ہوئے اس کے بعد خواجہ احمد غزالیؒ ان کی مسند ارشاد پر متمکن ہوئے اور اپنی وفات ۵۲۰ھ تک

۳۴ برس خلقت کو دعوتِ الی اللہ دیتے رہے۔

امام محمد غزالی قدس سرہ العزیز ایک جیّد عالم اور متبحر فقیہہ تھے۔ وہ اکثر لوگوں کو خطاب فرماتے تھے جب کہ خواجہ احمد غزالیؒ ایک صوفی منش آدمی تھے اور خلوت و عزلت کو پسند فرماتے تھے۔ بعض تذکرہ نویسوں کے بقول ایک روز امام محمد غزالیؒ وعظ و نصیحت کر رہے تھے اسی اثنا میں احمد غزالیؒ اس محفل میں وارد ہوئے اور امام محمد غزالیؒ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اخذت باعضا دہم اذ ونوا — وخلفک الجہد اذا سرعوا

واصبحت تہدی ولاتہتدی — وتسمع وعظاً وہ تسمع

فیاحجر الشخذ حتی متی — تسن الحدید ولا تقطع

(ترجمہ) تو نے ان کی مدد کی جب وہ سست تھے

تو سست ہو گیا جب وہ تیز ہو گئے

تو دوسروں کو ہدایت کرتا ہے جبکہ تو خود ہدایت پر نہیں

ان کو نصیحت کرتا ہے لیکن خود نصیحت نہیں پکڑتا

اے پتھر تیز کرنے کا عمل کب تک

لوہے کو تیز کر رہا ہے لیکن تو خود نہیں کاٹتا

یہ شعر سن کر امام محمد غزالیؒ پر بے حد اثر ہوا اور آپ نے راہ سلوک اختیار فرمائی۔

خواجہ احمد غزالیؒ سماع و وجد کو پسند فرماتے تھے۔ بعض دیگر صوفیاء کی مانند خواجہ احمد غزالیؒ سے بھی شطحیات منقول ہیں۔ آپ صاحب جاہ و جلال اور عارف ذونوال مشہور تھے۔ سلجوقی بادشاہ آپ کے بڑے مدّاح تھے۔ سلطان ملک شاہ اور اس کا بیٹا سلطان سنجر آپ کے مُرید تھے۔

۵۲۰ھ میں وصال پایا۔ قزوین کے قدیم قبرستان میں دفن ہوئے۔ آج بھی وہیں آپ کا مزار موجود ہے۔ آپ کے مریدوں، شاگردوں اور عقیدت مندوں میں عبداللہ ابن محمد میانجی ہمدانی المعروف بہ عین القضاۃ ہمدانیؒ (م ۵۲۵ھ)، حکیم سنائی غزنویؒ (م ۵۳۵ھ)، ابوالفضل صان بن عبداللہ صوفی بغدادیؒ (م ۵۵۰ھ)، شیخ عبدالواحد آمدیؒ (م تقریباً ۵۵۰ھ)، شیخ روزبہانؒ (چھٹی صدی کے عارف، مدفون مصر)، ابوالقاسم محمد معروف بہ ابن البزاری جزریؒ (م ۵۶۰ھ) شافعی مسلک کے معروف فقیہ اور ضیاء الدین ابونجیب عبدالقاہر عبداللہ سہروردیؒ (م ۵۶۳ھ) بانیِ سلسلہ سہروردی، قابلِ ذکر ہیں۔

جناب ڈاکٹر احمد مجاہد نے "مجموعہ آثار فارسی احمد غزالیؒ" میں آپ کے جو آثار اور تالیفات جمع کی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بحر الحقیقہ ۲۔ رسالۃ الطیور ۳۔ سوانح العشاق

۴۔ عینیہ ۵۔ نامہ ہا ۶۔ وصیت (پند) نامہ ہا

۷۔ مقالۂ روح ۸۔ بخشِ اقوال و آراء و عقائد غزالی (جو مختلف کتابوں میں ان کی طرف سے منقول ہیں لیکن ان کے آثار میں نہیں ملتے)

۹۔ بخش اشعار (جو مختلف کتابوں، مجموعوں اور بیاضوں میں ان کی طرف منسوب ہیں، لیکن ان کے آثار میں نہیں ملتے)

مقدمۂ مصنّف

تمام تعریفیں اہلِ شوق کے بادشاہ اور اصحاب حیرت کے معبود کے لئے ہیں جس نے آسمان اور زمین کی بادشاہت پیدا کی اور عارف کے راز کو کشفِ مشاہدہ کے ذریعے معرفت سے ولایت کی روشنی عطا کی۔ پھر مہربانی کرتے ہوئے دوستی کے راز کو اس کے سِر کی موجودگی میں مشاہدہ کی غرض سے' اس آنکھ کو امانت (کے طور پر) دیا پھر آثارِ الوہیت سے ایک لمحہ امانت کو جذبہ بخشا یہ اس کا انعام واکرام ہے کہ اس جذبہ کے اثرات سے اس کے پردۂ دل کو ازراہِ عنایت معرفت کی تاریکیوں میں ظاہر ہونے کا حکم دیا۔ اپنے "سرایئر" میں اس کی تشریح فرمائی تاکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے ذریعے وحدانیت کے آثار دیکھے اور اس امانت کا شاہد بنے اور وہ آنکھ سے ان مُعانی کا مشاہدہ کرے، تاکہ وہ اپنے سرائر میں سرِّ ربوبیت کے حقائق کے نکتے کا شاہدِ مُعانی بن جائے۔

حق نے میثاق کے روز اس مجمع میں ان علوم کی طرف دعوت عام دی جب وہ بنی آدم کے ارواح کو مقامِ لُطف میں رکھتا تھا۔ ان ارواح کو ندائے حقّ سُناتے ہوئے فرمایا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" (سورہ الاعراف: ۱۷۲، ترجمہ: کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں)
اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایت اور ارادے سے تھا۔ اللہ ان کو اپنے لُطف کے مقام میں رکھتا تھا اور اس نے ان کے مشاہدہ کا عادی بن کر ان معانی کو قیمتی موتی

بنایا اور روح کو اس موتی کا صدف بنا دیا۔ پھر ان کو مشاہدہ کی غرض سے روح کے ساتھ ملایا تاکہ خود اس کی ذات اس میں منتقل ہو سکے۔ اس کے بعد آواز لگائی کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" کیونکہ ارواح اللہ کو پہچانتے تھے لہذا انہوں نے اس معرفت سے "بلیٰ" کا جواب دیا۔ اس سفر میں بشریت کے ہجوم سے کوئی چیز بھی اس معنی کی ہمسفر نہ تھی۔

اب اسے ایک دوسرے سفر کا حکم دیا گیا تاکہ وہ صدف ہجرت کر سکے اور تاکہ ان انسانی اعضاء کے ذریعے اسے ایک وحدانیت نصیب ہو۔ جو شخص ان معانی کا شاہد بننا چاہتا ہے اسے اپنی ذات سے سفر اختیار کرنا چاہیے۔ اسے خود میں مسافر ہونا چاہیے۔ اور طلب کا ارادہ درست کرنا چاہیئے تاکہ اسے یہ راستہ مل سکے۔ کیونکہ یہ طلب ایسی نہیں ہے جو عقل کی حدود میں ہو اور عقل کو ان معانی کا دیدار نہیں ہوتا ہے کیونکہ طلب اس چیز کی ہوتی ہے جو غائب ہو اور حق نہ حاضر ہے اور نہ غائب حق کو حق کے ذریعے طلب کرنا چاہیے نہ کہ طلب کے ذریعے۔

لیکن اس کی طلب اس وجہ سے ہے کہ جس چیز کو اس کی عقل سمجھتی ہے اسے اس کی طلب سے آسودہ ہونا چاہیے اور اس کو حدود کے تحت پر امر حق کو محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ اس دروازے سے نہ گزرے کہ اس میں ایک وادی ہے۔ تاکہ وہ تشبیہہ اور تعطیل کی وادی میں نہ گر پڑے اور راستے سے بھٹک نہ جائے کیونکہ یہ آدمی کی بشریت کا مقام ہے۔ وہ حق کو پانے کے لئے اس بشریت سے جو کچھ زادِ راہ بنائے وہ علت سے پاک ہونا چاہیئے اور حق کو حق کے ذریعے پایا جا سکتا ہے۔ پس مسافر کو اپنی عقل کے ذریعے بوستان معرفت سے مشرف ہونا چاہیئے تاکہ اس کی وجہ سے جو کچھ بھی اس کو درپیش آئے وہ عقل کو اس کے تجسس سے آزار پہنچائے تاکہ وہ میثاق کے روز سنی جانے والی آواز کی طرف پلٹ سکے کیونکہ اس نے اس روز "بلیٰ" جواب دیا تھا۔ وہ آج جو کچھ سن رہا ہے

53235

گویا وہ انہی معانی کا سننے والا ہے اور انہی معانی کے طفیل اللہ سے کشادگی حاصل کرنے والا ہے۔ وہ آج بھی اسی آواز میں اللہ کے سامنے مناجات کرتا ہے جس میں اس نے اس روز "بلیٰ" کہا تھا۔

لیکن حجّت کو ان معانی کی وفا میں رہنا چاہیے تاکہ جس طرح وہ اُس روز اپنی ذات سے کنارہ کش ہوا تھا آج بھی اسی تنہائی کو طلب کرے۔ تاکہ اس کا دل مخلوقات کے میل ملاپ سے کنارہ کش ہو جائے اور وہ اپنے تنہائی کے مقام میں قیام کرے۔ تاکہ اس کا دل اصلی دوست کی محبت کے سوا کسی چیز کی طلب نہ کرے۔ محبّ اسی لیے سرگردان اور مسافر ہے کہ اس کے دل کی کسی مخلوق سے آشنائی نہیں ہے اور وہ کسی مقام پر رُکتا اور ٹھہرتا نہیں ہے۔ اگرچہ وہ وطن میں ہے لیکن پھر بھی "مسافر" ہے۔

لیکن اس جماعت کا سفر چار قسم کا ہے۔ ان اقسام میں سے دو اکتسابی اور دو عطائی ہیں۔ اکتسابی اقسام میں سے ایک "بینش" ہے جو معرفت کے اثرات میں سے ہے اور اس کی دلیل عصمت ہے۔ دوسری اکتسابی قسم روش یعنی رفتار ہے اور وہ معرفت کے حکم میں ہے اور اس کی دلیل آزار ہے۔ اس کے بعد دو عطائی قسمیں ہیں۔ پہلی کاٹ ہے اور اس کی دلیل حق کی کاٹ ہے۔ دوسری کشش ہے اور اس کی دلیل بادشاہی کی نمائش ہے۔ اسے (مسافر کو) بینش کے ہمراہ سفر کرنا چاہیے تاکہ وہ دونوں منزلوں کو طے کر سکے۔ پہلے وہ "منزلِ بشریت" سے لے کر تمام "مقامات کی نفرت" تک جو کچھ ہے، سب خیالات اپنے دل سے نکال دے تاکہ وہ راستے سے لے کر منزلِ مقصود تک کے جملہ خطرات سے محفوظ رہ سکے اور اس طرح وہ صحرائے معرفت کا جری سالک بن جائے بعدازاں وہ روحانیّت کی منزل طے کرے تاکہ بے مقامی اس کا مقام ہو جائے اور یہ "مقام" وہ جگہ ہے۔ جسے ہر فرشتہ پہچانتا ہے۔ ایسے مسافروں کے لئے آگاہیِ مقام حجاب ہے کیونکہ مقام کی پہچان مسافر کا مکان ہوتی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ مسافر

حق کو اس مقام پر پہنچنے کے بعد طلب کرتا ہے۔

بس جسے راستہ میں رکاوٹ پیش آئی اور اس سفر نے اسے پریشان کیا گویا وہ ان دونوں منزلوں سے آشنا تھا۔ لہذا وہ راستے ہی میں پڑا رہا۔ جنہیں اپنے اختیار کے نصیب سے فائدہ ہوا ہے "حق" ان کے لئے اپنی ارادت کا "راز" بن گیا ہے۔ انہوں نے نہ تو "روش" (یعنی راستہ چلنے) کی حقیقت کو پایا اور نہ ہی انہیں "کاٹ" (یعنی راستے کی رکاوٹوں) کی حقیقت کا علم ہو سکا۔ آپ جسے بھی مذکورہ دو منزلوں پر ساکن اور رکا ہوا پائیں۔ سمجھ لیں کہ وہ اس راہ پر چلنے کا تجربہ نہیں رکھتا کیونکہ آپ تجربہ کاروں کو ان دونوں منزلوں پر رکا ہوا نہیں پائیں گے۔ اس راستے کا نام "خشکی" ہے۔

پس جو بھی اس قیمتی موتی کا طالب ہے اسے "مکان" سے ہجرت کرنی پڑے گی۔ تاکہ دریا بحر میں پہنچ سکے کیونکہ آپ موتی بحر ہی میں پا سکتے ہیں۔ عزت اس میں ہے کہ غوطہ خور اپنی جان کی پروا نہ کرے۔ بقا کو فنا کے اندر مقید کرنا چاہیے۔ پھر اس فنا کو بحری راستے کا زاد راہ بنانا چاہیے تاکہ صدفِ معنوی اس کے ہاتھ لگے اور اس کے ملنے پر زندگی کا گوہر میسر آئے۔

پس اے جوانمرد! تو عالم مخلوق کو اس موتی کی آرزو اور خواہش میں پائے گا مگر تجھے جان پر کھیلنے والے غوطہ زن کم ملیں گے۔ اگر ہر کس و ناکس اس موتی کو پا لیتا تو اس راستے کی کی عزت نہ رہتی۔ پس راستے میں تیرے دل کو صحیح طلب کرنی چاہیے۔ کیونکہ تیری روح ان معانی کا صدف ہے اور تیرا راز اس بحر کی صدف ہے اور دل اس بحر کی خشکی ہے، تجھے دل اور سب مقامات سے باہر آنا چاہیے تاکہ تو اس بحر میں اپنی ہمت میں مستغرق ہو جائے۔ اس دریا کی کشتی عنایت ہے اور اس کا بادبان لطافت ہے۔

لیکن مسافر کو ان علوم کے اشاروں پر چلنا چاہیے۔ جب وہ ارادت میں آجاتا ہے تو اس کی روش ہستی کے ساتھ واسطہ بن جاتی ہے اور جب وہ دل کی دوستی سے

سب مقامات کے ساتھ آثارِ الوہیت کو دیکھنے والا بن جاتا ہے تو اس کا راز داسطہ بن جاتا ہے۔ یہ راستہ خشکی کا ہے لہٰذا ان سب سے باہر آجانا چاہیے اور سات بحروں سے گزرنا چاہیے اور ہر دریا کی صدف کو ہاتھ میں لینا چاہیے تاکہ وہ اس طرح اپنی دید کی آلائشوں اور حجاب سے پاک ہو سکے۔ تب اس کے موتی کو پاکیزہ خیال کیا جائے جب تک وہ پاک نہیں ہو جاتا اس وقت تک وہ اللہ کی حضوری نہیں پا سکتا، دوستی کا محرم اور امانت کا اہل نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ اہلِ قربت نہیں بنتا اس وقت تک وہ وصال کے قابل نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ وصال کے لائق نہیں بن جاتا اس وقت تک وہ راز کا امانت دار نہیں بن سکتا۔ جب تک راز کا امانت دار نہیں بن جاتا اس وقت تک وہ صاحبِ کرامت نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ صاحبِ کرامت نہیں بن جاتا اس وقت تک وہ صاحبِ فراست نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ صاحبِ فراست نہیں بن جاتا اس وقت تک وہ اسرار کا واقف اور سننے والا نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ اسرارِ حق کا واقف اور سننے والا نہیں بن جاتا اس وقت تک اس پر جمالِ معرفت منکشف نہیں ہوتا۔ جب تک جمالِ معرفت اس پر منکشف نہیں ہوتا اس وقت تک وہ محرمِ مشاہدہ نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ محرمِ مشاہدہ نہیں بن جاتا اس کی زندگی پاکیزہ نہیں بن سکتی۔ جب تک اس کی زندگی پاکیزہ نہ بن جائے اس وقت تک وہ حق سے بقا نہیں پا سکتا۔ جب تک حق سے بقا نہیں پا سکتا اس وقت تک اس کی بینائی درست نہیں ہو سکتی اور وہ ولایت کا والی اور صاحبِ راز نہیں بن سکتا اور جب تک وہ اس مقام پر نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ خاص لوگوں کے لیے مخصوص مرتبہ کو نہیں پا سکتا۔

بس جو کوئی بھی خاص اشارے کو پانا چاہے اور ان نیکیوں (رحمتوں) کو دیکھنا چاہے جو اولیاء اللہ پر کی گئی ہیں اسے یہ سفر اختیار کرنا چاہیے اور جان پر کھیل جانا چاہیے۔ اسے

بشریت کی تخریب سے معرفت کی معرفت کی طرف آجانا چاہیے اور وجود کے جنون سے ہشیار رہنا چاہیے کیونکہ جو حق لوگ بالغ ہیں اور ہر طفل ان کو نہیں دیکھ سکتا۔ اسے اپنی ذات کی ناپاکی سے پاک ہونا چاہیے تاکہ وہ اہلِ حق کو پا سکے۔ اسے سات دریاؤں سے گزرنا چاہیے اور ہمت کے ذریعے سات دریاؤں کی صدف کو ہاتھ میں پکڑنا چاہیے اور اس کے گوہر کی حقیقت کو دیکھنا چاہیے تاکہ وہ اس وقت پاکیزہ مرد بن جائے۔

اب ہم بتاتے ہیں کہ سات دریاؤں کی صدف کیا ہیں اور ہر ایک صدف کا راز اور دریا کا نام کیا ہے۔ ہر دریا میں کئی ہزار عجیب و غریب اشارے اور رموز ہیں جب وہ اس دریا میں غوطہ زن ہو گا تو ان سب کو پا لے گا۔

لیکن ہم بتاتے چلیں کہ اس بحر کے مسافر کو کیا کرنا چاہیے، تاکہ وہ اس خشکی کے راستے کو طے کر کے اس بحر تک پہنچ سکے۔ اس کے پاس استقامت کی سواری، صدق کی پوشاک، یقین کی تلوار، توکل کی ڈھال، رضا کا جنگی لباس، تسلیم کا خود، بیداری کی زرہ، دانائی کی قوت بازو، تنہائی کا زادِ راہ اور قناعت کی سواری ہونی چاہیے اور اس کی ہمسفر توفیق، رہنما عنایت، ہمراہ دل دستہ عظمت اور تندی و تیزی رفیق مرافقت ہونی چاہیے۔ مسافر کو راہ میں پیش آنے والی مشکلات کو نگاہ میں رکھنا چاہیے اور اسے اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کی فکر رکھتے ہوئے راستے میں ٹھہرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسے ہر لحظہ اور ہر قدم پر اس راستے کے ڈاکوؤں سے ہشیار رہنا چاہیے تاکہ وہ سلامتی کے ساتھ بحر تک پہنچ سکے۔ ہم نے جن رموز کی طرف اشارہ کیا ہے اسے ان کو پانا چاہیے لیکن اسے حق اور جھوٹ میں فرق کرنا چاہیے کیونکہ جھوٹے لوگ خشکی کے راستہ میں ہی رہ جاتے ہیں اور سچے لوگ بحر تک پہنچ جاتے ہیں۔

ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں یہ کتاب لکھنے کی توفیق

عطا فرمائے۔ ہم نے اس کتاب کا نام "بحر الحقیقۃ" رکھا ہے جو رازوں کی حقیقت دیکھنے کے معنی میں ہے۔ اس کتاب میں اس چیز کی خاص تشریح کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا کیا اور یہ کہ جو شخص ان موتیوں میں سے کوئی موتی پاتا ہے تو اس کا کیا حال ہو جاتا ہے۔ پس اللہ کی یاد کے راز سے اس کے خاص بندوں کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم ہر صدف کے معنی کو اشارہ میں اتنا ہی بیان کریں گے جتنا کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس سے آگاہ کیا ہے۔ کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے سوا یہ بیان نہیں کر سکتے اور نیز اس لئے کہ طالب اپنی ذات میں اسے طلب کرے کیونکہ یہ ضمیر کا راستہ ہے اور اس سے مراد راز کے رموز، اللہ کے حضور میں حاضری، قدم سے آشنائی اور لحظے کا واقف ہونا ہے۔ ان سب کی ظاہری طور پر ایک شکل ہے۔ آدمی کو اپنے راز کے رموز کا ناظر بننا چاہیئے تاکہ جب وہ اس سے باہر نکلے تو بحر میں مستغرق ہو جائے اور اس طرح معانی کا شاہد بن سکے۔

اب ہم بتلاتے ہیں کہ بحر اول معرفت ہے اور اس کا گوہر یقین ہے۔ بحر دوم جلال ہے اور اس کا گوہر حیرت ہے۔ بحر سوم وحدانیت ہے اور اس کا گوہر حیات ہے۔ بحر چہارم ربوبیت ہے اور اس کا گوہر بقا ہے۔ بحر پنجم الوہیت ہے اور اس کا گوہر وصال ہے۔ بحر ششم جمال ہے اور اس کا گوہر رعایت ہے۔ بحر ہفتم مشاہدہ ہے اور اس کا گوہر فقر ہے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ آدمی ان بحروں کو مادی بحر کی طرح طے نہیں کر سکتا کیونکہ جو کچھ اس کے قدم کے نیچے ہے وہ حدث ہونے والا ہے۔ اس بحر کو وہ مسافر طے کر سکتا ہے جس پر حق تبارک و تعالیٰ اپنے آثارِ خدائی ہر طرح سے ظاہر کرتا ہے۔ اسے اپنی نوازشوں اور نعمتوں سے مالا مال کرتا ہے اور اس کی عقل کو اس کشف کی روشنی پر غالب کرتا ہے تاکہ وہ معانی جو اس میں پنہاں ہیں، حق کے مشاہدہ کے ناظر بنیں، حق سے حق کی قربت

پاتیں۔ حق سے حق کے ناظر ہیں عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے۔ ان معانی کے سماع کے لائق وہ آدمی ہے جسے دوست کے بغیر آرام نہ آتا ہو۔ اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہر گھڑی بخشش، لطف، نوازش اور عزت نصیب ہوتی ہے اور ان معانی کو اس دنیا میں بقا دینے سے یہ مراد ہے کہ اسے اسی دنیا میں تمام مخلوقات کا محرم بنایا جائے اور اسے وصال حق کی دعوت دی جائے اور اسے اس دنیا میں رہتے ہوئے دیدار کے منتظر میں رکھا جائے۔ اسے عقبیٰ میں دو جہانوں کے رہنے والوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔

لیکن یہ تمہاری بینش کے لائق نہیں ہے اور نہ ہی عقل کی بینش کو اس تک رسائی ہے۔ کیونکہ تو عقل کی آنکھ سے دیکھا جاسکتا ہے وہ سب تشبیہات ہیں اور بے تشبیہ معرفت کی آنکھ سے دیکھی جاتی ہے۔ ہزاروں اہل قافلہ اس مطلب کی دعوت پر مکانِ عافیت سے باہر لائے گئے تب جا کر کہیں کسی ایک کو شاہدِ معانی بنایا گیا۔ کیونکہ جس کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں اس مطلب تک پہنچ گیا ہوں اس کا دعویٰ مسلّم نہیں ہے کیونکہ وہاں تک پہنچنے کا دعویٰ کرنے والے عقل کے مغلوب ہیں جس کا بیان کیا جاسکتا ہے اور جو بیان سے عاجز ہیں وہی معرفت کے مغلوب اور مشاہدہ کی بینائی رکھنے والے ہیں۔

پس آدمی کو چلتے وقت اپنے تصرّف کو راستے سے دُور رکھنا چاہیے اور اگر اس کو اللہ کوئی مقام دکھائے تو وہ اسے دیکھ لے اور اگر نہ دکھائے تو اس کی طلب کی قوت کو ساقط کر دے کہ انسان کی طلب کا خود اپنی ذات کو دریافت کرنا درست ہے کیونکہ وہ اس معانی سے غائب ہے مگر طلب کے ذریعے حق کو دریافت کرنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ بندہ محدث ہے اور خداوند قدیم ہے۔ قدیم کو قدیم سے ہی دریافت کیا جاسکتا ہے اور تمام محدثات کو بھی قدیم سے ہی پہچانا جاسکتا ہے۔

اب ہم تھوڑا سا توحید کا بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد دریاؤں کی شرح کریں گے۔

تاکہ مسافر اس بات کو اپنے آپ پر قیاس کرے، کوئی محدث خود کو قدیم کے ساتھ نہ ملائے۔ آدمی اللہ تعالیٰ کی خوبیوں کو دل وجان سے قبول کرے تاکہ وہ ہلاک نہ ہوا ور ناشکر گزار نہ بنے اور وہ اللہ کی شرائط کو بجا لائے اور موافقت کو حق کی نمائش میں محفوظ رکھے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس راستے اور اس پر چلنے والوں کو بڑا مقام اور درجہ بخشا ہے۔ بس کوئی ایسا عزیز ہونا چاہیئے جو اس بات کو سیکھے۔ اللہ عزیزوں کو جان و دل سے بڑی مراعات بخشتا ہے۔

پس جاننا چاہیئے کہ درحقیقت کمال درجے کا عزیز خود خدا ہے جس نے ہمیں اپنی توحید کی حقیقت سے آشنا بنایا ہے اور اس کی توحید وحدانیت ہے۔ موحد احد کا عزیز کردہ اور اس کا برگزیدہ ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتا تو بندہ کیا کر سکتا تھا؟ اور اگر اللہ اپنی تعریف خود نہ کرتا تو بندہ اس کو کس طرح پہچان سکتا تھا؟ پس تو اللہ کی رضا کو ایک جیسا سمجھ کہ اس نے تقدیر کو خیر و شر سے بنایا ہے اور یہ بندہ ہے جو اس میں مختلف عمل کرتا ہے۔

پس جمال اور جلال اللہ تعالیٰ کے راز کی ایک صفت ہے لیکن مرید کے لئے اس میں مراد مختلف ہوتی ہے۔ یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کیونکہ جلال و جمال اور تجلی صفا کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے گا تاکہ مرید کسی ایک چیز پر ہی انحصار نہ کرے اور وہ اس طرح راستے میں ہی نہ رہ جائے اور تاکہ وہ حق کو کسی چیز اور مثال کے ذریعے تلاش نہ کرے۔ کیونکہ حق ایک ہے۔ یہ موحد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی یگانگت کے آثار کو اس کی توحید پر منطبق کرے تاکہ اس کی بے علت ارادت مرید کی ارادت کی مراد بن جائے اور تاکہ مرید کو جلال کا کشف ہو اور یہ مرید کے لئے (ڈگمگاہٹ) کا حکم رکھتی ہے۔ مرید کی مراد کے حق میں تضاد پڑتا ہے ورنہ حق کی ارادت ایک جیسی ہے۔ حق ان کو ارادت کی طرف لاتا ہے تاکہ آدمی کی مُراد وہی بنائے جو وہ چاہتا ہے اور تاکہ وہ حق سے اپنا نصیب چاہے۔

مرید عالم امر ہے اور اس کا مرشد عارف امر ہے۔ اللہ مراد کو چیزوں کے راز بتاتا ہے

اور مرید کو چیزوں کی صورت دکھاتا ہے۔ مُرشد پر لطف کیا جاتا ہے اور مُرید کی اصلاح کی جاتی ہے اور اسے مؤدب بنایا جاتا ہے۔ مُرشد رجا کی منزل میں ہے تاکہ وہ خود کو حق سے دیکھے اور مُرید خوف کی منزل میں ہے۔ کبھی وہ حق سے خود کو دیکھتا ہے اور کبھی خود سے حق کو دیکھتا ہے۔ مرید پر اپنی ہستی کشف کی جاتی ہے تاکہ اس کی حیرت دُور ہو جائے اور وہ اپنے عجز کے گوشے کو دیکھ سکے۔ اس کا سارا ناز اس کی عزت کی وجہ سے ہے۔ ہر لحظہ میں اس کے راز کو تمام مخلوقات سے باہر لایا جاتا ہے۔ جب تک بندۂ حق اس معنی کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ قرار نہیں پاتا۔ پس نہ زمانہ اسے پاتا ہے اور نہ اس کی نمائش سے آگاہ ہوتا ہے اور نہ اس کے اشارہ ہی کو دیکھتا ہے۔ اس وجہ سے مُرشد کو مُرید پر فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ تمام ہے اور اس کا حاضر کرنے والا حق ہے۔ اور حق کے حاضر کیے گئے کو کوئی غائب نہیں کر سکتا۔

لیکن اللہ نے اسے مراتب میں سے دو مرتبے دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہمہ سماع اور دوسرا مرتبہ ہمہ گفت ہے۔ وہ مرتبہ جو سماع ہے اس میں وہ سر سے پاؤں تک ہمہ سماع بن جاتا ہے۔ اس وقت حق اس ہستی کو جذب کرتا ہے۔ وہ معنی راز کو جذب کرتا ہے اور راز دل کو جذب کرتا ہے۔ اب اگر تمام عالم اسے متوجہ کرنا چاہیں تو بھی وہ ان میں مشغول نہیں ہوتا کیونکہ حق غالب ہے مغلوب نہیں۔ جب اس نے اپنے دوست کو مغلوب بنا کر اس پر لطف کیا ہے تو اب کون ایسا شخص ہے جو اپنی قدرت سے اس پر غلبہ پا سکے؟

پھر جب اللہ اسے ہمہ گفت کے مرتبہ میں لاتا ہے تو وہ سر سے پاؤں تک زبان بن جاتا ہے کیونکہ اس نے معنی کو اسرار بیان کرنے والے دوست کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور وہ مناجات کرنے میں محو ہو گیا ہے لہٰذا وہ سارے کا سارا زبان بن جاتا ہے اور اس کا اپنا کوئی وجود نہیں رہتا۔ وہ اس طرح نہیں ہوتا کہ اگر کوئی شخص اسے متوجہ کرنا چاہے

تو وہ اس سے مشغول ہو کر خود کو ہلاک کرے۔ اگر وہ اس شخص سے مشغول ہو جائے تو پھر اس کی حالت "ہمہ گفت" خدا کی طرف سے نہیں بلکہ خود اس کی وضع کردہ ہوتی ہے اور وہ "ہمہ سماع" کی حالت میں جو کچھ سنتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

لیکن دنیا میں صرف عقل مند آدمی ہی ایسی ہستیوں کے وجود سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ جب تک ان کے حال کی خبر نہ ہو، ان کی صحبت فائدہ مند نہیں ہو سکتی۔ آدمی کو مکمل طور پر نیاز مند رہنا چاہیئے تاکہ وہ دنیا میں کامیاب رہے اور اس کی معرفت قوی ہونی چاہیے تاکہ وہ ایسی ہستیوں کے حال سے آگاہ رہے۔

پھر مرید یہ مقام بھی نہیں رکھتا کہ اس پر جلالِ حق کی چمک ہو، کبھی کبھار وہ حق کی ہستی کی چمک دیکھتا ہے۔ لیکن اس چمک کے حکم میں یہ ہوتا ہے کہ اچانک حق اسے اپنے فراق میں جلاتا ہے۔ اس کی پگھلاہٹ اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا دل تڑپا ہوتا ہے اور اس نے اپنا سر اپنی نجات کے لیئے چھوڑا ہوتا ہے۔ اس کا پگھلنا اندر سے ہوتا ہے لیکن وہ آدمی کو اپنا تابع بنا ڈالتا ہے۔ تاکہ آگ کے فروغ اور اس کے دل کے خون کو لوگوں کی نظر سے پاک کرے۔ جب وہ دنیا میں متحیر ہو تو اسے دنیا کی خبر نہیں ہوتی اور جب عقبیٰ میں ہو تو اسے عقبیٰ کی خبر نہیں ہوتی۔

لیکن ہجر کا فرق کرنے والا وصال ہے۔ اللہ مرشد کو یہ فرق دکھاتا ہے۔ آدمی کشفِ جمال میں ناظر ہے کیونکہ وہ معنی حق کو جذب کرنے والا ہے۔ آدمی نہ فراق کو جانتا ہے اور نہ وصال کو۔ اللہ اسے جس میں بھی رکھے وہ ناظر رکھا جانے والا ہے، ناظر ہونے والا نہیں ہے، اس کا ناز اسی وجہ سے ہے، لیکن ظاہر میں آدمی پر اس کے اثرات تاریکی اور پریشان حالی اور باطن میں سب خوشی اور راحت ہیں یہ اس لیئے کہ اس کے دل کا بوستان خدا تعالیٰ کے لطف کے آثار سے آراستہ ہوتا ہے، اور اس کا راز حق کی نعمتوں اور نوازشوں سے پیراستہ ہوتا ہے اور وہ معانی حق تعالیٰ کے مشاہدہ سے عزت

اور مرتبہ پاتے ہیں جو کوئی بھی اسے سونگھتا ہے اس سے وصال حق کی خوشبو آتی ہے۔

لیکن ہر آدمی اسے نہیں سونگھ سکتا۔ اسے صرف وہ شخص سونگھ سکتا ہے جس کے دل پر مال واسباب اور اپنے ارادے کی محبت حرام ہو چکی ہو اور وہ وصال حق کی طلب میں مدہوش اور بے قرار ہو چکا ہو۔ جب آدمی حق سے وہ خوشبو پاتا ہے تو حق اس کی ہمت کی قوت بن جاتا ہے اور اس کی خواہش کا سرمایہ ہو جاتا ہے۔ اس کی ارادت کا ہمسفر اور اس کا مونس اور محب بن جاتا ہے اور اس کے شوق کی تسکین ہو جاتا ہے تاکہ وہ خود ہی مسافر بن جائے۔

لیکن اور دوسرے لئے اس سونگھنے کی تاثیر بھی بیان یعنی اذکار میں پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ لہذا جب ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے تو اس وقت ان کے دل میں اللہ کے سوا کسی کی محبت نہیں رہتی۔ کسی کو یہ سونگھ مکمل طور پر ہوتی ہے اور کسی کو اس کا کچھ حصہ ملتا ہے۔

پس حق کا مرید پر یہ احسان ہے اور جو لوگ توحید کے کلمہ کے ساتھ تقرب پاتے ہیں وہ سب حق کے مرید ہیں۔ لیکن یہ کشف اور یہ زندگی کسے عطا کی گئی ہے! جنہوں نے ایسی زندگی پائی انہوں نے دونوں جہان سے منہ پھیر لیا اور انہوں نے اپنی خواہشات کا لحاظ نہیں رکھا۔ بس اے جوانمرد! اللہ تعالیٰ کے آثار موحد کے دل کو اسی طرح کر دیتے ہیں۔

لیکن ان سات دریاؤں کو عبور کرنا چاہیئے تاکہ تجھے اس سفر کا اجر مل سکے۔ کیونکہ آب حیات دریا میں پوشیدہ ہے اور قیمتی گوہر دریا میں پنہاں ہے اور اس کے عجائبات بے شمار ہیں۔ جس نے موتی کو پا لیا اس سے دریا کی مصیبتوں کے بارے میں مت پوچھ۔ جو کوئی سمندر میں رہنے والا ہے وہ خشکی پر نہیں رہ سکتا کیونکہ یہ دونوں حالتیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دریا کا سفر ایک ایسی خاصیت رکھتا ہے کہ ہر آدمی اسے اختیار نہیں کر سکتا کیونکہ

دریا میں کودنے والا پہلے غرق ہونے کا خوف دل سے نکال دیتا ہے اور پھر غوطہ خوروں کا لباس پہنتا ہے۔ پس وہ پہلے لوگوں کی نظر میں مردہ بنتا ہے تاکہ سب لوگ اسے مردہ خیال کریں اور پھر دریا میں غوطہ زن ہوتا ہے۔

یہ کہاوت ہے لیکن اس دریا کی بادشاہت بڑی عالی ہے۔ جب تک آدمی کی ہستی ذرہ بھر بھی باقی رہتی ہے وہ اپنی عادات پر قائم رہتا ہے۔ جب وہ اس دریا میں کود پڑتا ہے تو اللہ اسے مستغرق بنا دیتا ہے اور اس کو اس کی ہستی اور نیستی سے پاک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان معانی کو اس کے راز میں ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کے دل کو اس نور کی چمک سے منور بناتا ہے۔ تاکہ وہ زندگی پائے اور اس کی زندگی دوسروں کی زندگی کے برعکس ہو جاتی ہے۔

لیکن جس کسی کو اپنی جان سے محبت ہوتی ہے وہ اس دریا میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی اس موتی کو حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہو اسے یہ سفر اختیار کرنا چاہئے۔ یہ دو سفر یعنی بینش اور روش آدمی کے اختیار میں ہیں اور وہ دو سفر یعنی کاٹ اور کشش حق کے عطا کردہ ہیں۔ بحر اس عالم میں ہے اور خشکی اس جہان میں خشکی کو قدم کے ذریعے پایا جا سکتا ہے اور بحر کو سفینہ کے ذریعے۔ لیکن یہ سفر ظاہری قدم کا نہیں ہے بلکہ ہمّت کے قدم کا ہے۔ تاکہ آدمی اس قدمِ ہمت کے ذریعے اس راہ کا چلنے والا ہو اور وہ اپنے دل سے گذر جائے کیونکہ دل کو ان معانی کے بغیر عزت حاصل نہیں ہے۔

لیکن یہ بینش معرفت کے اثرات میں سے ہے جس طرح کہ ظہر کے وقت سورج روشنی تو دیتا ہے لیکن اس وقت اس کی گرمی کی بادشاہت نہیں ہوتی۔ یہ ہمت اسلیے ہے کہ وہ ہمت ہار نہ دے، ہمت ہارنے سے مراد ماسویٰ اللہ پر تکیہ کرنا ہے اور اس کا جانا تمام جہانوں سے جدا ہو جانا ہے۔ تاکہ ہر لحظہ اور قدم پر جو چیز بھی اس کے سامنے سے گذرے اسے حق وہ اثرات دکھائے اور خدا تعالیٰ کی عصمت انہیں اس کے راستے

سے دُور کرے۔ تاکہ آدمی حق کے اثبات کے اثرات میں آنکھ کو اپنا راہنما بنائے تاکہ وہ اپنے دل کی کسی حد پر اسے وارد نہ ہونے دے۔ حق کی حد یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو ماسوی اللہ سے نہ لگائے اور اس کی آزادی کی حد یعنی بینش درست تخلیق کی گئی ہے تاکہ آزاد کو ہر آدمی اپنا غلام نہ بنا سکے۔ مرد کو بینش اور اس کا خدا کی طرف جانا اس لیے درکار ہے کہ خدا کے بغیر کوئی غلام آدمی اسے کچھ بھی عطا نہیں کر سکتا۔

نماز کا ظاہر و باطن دیکھنا اور جاننا چاہیئے۔ حد یعنی شرع کے لحاظ سے نماز کا حکم بیٹھنا ہے لیکن یہ اس کی ظاہری حالت ہے کیونکہ باطن میں اس بیٹھنے کا مفہوم یہ ہے کہ دل کو اپنے حقیقی معبود کے سوا دوسروں سے دُور کیا جائے، جو کوئی ظاہری طور پر نماز پڑھے اور اس کا باطن حقیقی معبود سے آگاہ نہ ہو۔ اس کی نماز حقیقی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ پرہیزگاروں کے نزدیک نماز کا مفہوم یہی ہے۔

لیکن یہ سب اس کے تابع ہیں۔ پس آدمی کو ہر چیز کے راز کے لیے بینش ہوتی ہے تاکہ جب وہ نماز پڑھنے لگے تو دل کو ایک صدف میں رکھ دے اور راز کے قریب ہو جائے تاکہ اسے مکنونات کی دشمنی حاصل ہو جائے۔ پھر وہ اس مطلب کی بنا پر خلوت تلاش کرے، تاکہ وہ راز کے نکتہ سے جدا ہو جائے اور ان معانی سے جو کچھ بھی اسے پہنچے وہ اس کا سننے والا بن جائے کیونکہ نماز کے وقت حق سے اس معنی کو جذبہ حاصل ہوتا ہے۔ تاکہ اس کی دید نظر میں آئے اور وہ حق سے مشاہدہ کی خلعت پائے۔ تاکہ وہ اپنے معبود کو دیکھے۔ اس کے بعد عاجزی سے اس کی عبادت میں لگ جائے اور اس کی عنایت سے اس کے ناز میں آجائے، اس کے لطف سے اس کی پرورش میں آجائے۔ اس کے کرم سے زبان کھولے۔ اس کی تونگری سے سوال کرے اور اس کی قدرت سے درخواست کرے۔ اس وقت حق اس کے نفس کو دوام بخشتا ہے تاکہ وہ ان معانی سے مناجات کرنے والا اور حق سے دیکھنے والا ہو۔ نماز پڑھنے والے کی نماز کا راز یہی ہے، جو کوئی نماز پڑھتے وقت

ان صفات سے عاری ہو وہ امر کی ظاہری حالت سے زیادہ آگے نہیں بڑھا اور وہ نماز کی حقیقت سے بے خبر ہے۔

اس آدمی کو بینش اس لئے درکار ہے کہ وہ خدا کی حد کو محفوظ رکھے۔ لیکن خدا کی حد یہ ہے کہ آدمی اپنے نصیب سے جدا ہو جائے تاکہ وہ ہر چیز کے راز کو دیکھ سکے۔ درحقیقت اس ہمت کی ارادت کو اس حد سے ہٹانا نہیں چاہیئے کیونکہ عصمت اسے اس سے منع کرتی ہے اس اشارے کو محفوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ راستہ طے کر سکے۔

اس کے بعد روش ہے جو جا کر اس وقت تک واپس نہیں آتی جب تک اللہ اس کو واپس نہ لائے۔ جو کوئی واپس آیا وہ ذلالت کی وادی میں گر پڑا اور جس کسی کو روش واپس لوٹائی گئی وہ اللہ کی عنایت کے خزانے میں گر پڑا۔ اے واپس دینے والو، محفوظ رکھنے والو، واپس آنے والو اور ترک کرنے والو، روش کا رکھنا اور اسے محفوظ رکھنا بڑی پسندیدہ بات ہے اور اس کا ترک کرنا ذلت ہے۔ یہ دونوں حالتیں ارادت کی مانند اللہ کے حکم سے آئی ہیں لیکن ایک کو خدا کے مقام پر ٹھہرایا گیا ہے اور دوسری کو کلی طور پر آدمی کے مقام پر ٹھہرایا گیا ہے جو مقام میں ہے اس پر مشاہدہ کی نعمت مخفی رہی اور جسے بے مقامی سے مقام بخشا گیا ہے اس پر مشاہدہ ظاہر ہوا۔ پس ایک مقام میں اس نے ابھی توحید کا جمال نہیں دیکھا ہے اور یہ جو بے مقامی ہے، وہ ایک مقام سے گزرا ہے لیکن اسے اس کی خبر نہیں۔

اس سفر میں آدمی کی روش سے یہ مراد ہے کہ وہ اپنی عادت سے علیحدگی اختیار کرے۔ جس چیز پر رہے حق کے ساتھ رہے۔ مسافر کا کہیں ٹھہر جانا ہلاکت کا موجب ہے۔ اس کی روش امر سے ہونی چاہئے جو اس کی صورت کو علم کی طرف کر دے اور اس کے باطن کو عمل میں لائے اور وہ اسی طرح چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی حقیقت اس کی مددگار اور حامی بن جاتی ہے اور اس جانے کے لئے مکمل صدق درکار ہوتا ہے۔

معرفت میں اسی طرح نور کی چمک ہوتی ہے جس طرح اُبھرتے ہوئے سورج میں ہے لیکن آدمی تپش کی بادشاہی اسی سے خیال کرتا ہے اور نظر کا تصرف اس سے ہٹا لیتا ہے اس آدمی کے لئے روش میں ایسا ہی ہے کہ جس مقام سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھ جس چیز کو دیکھتی ہے وہ اپنے عمل کے سورج سے استفادہ کرتی ہے اور ابھی تک وہ معرفت کی تپش سے واقف نہیں ہوتی۔ ہر لحظہ اور ہر قدم پر اس کے لئے یہی آزار ہوتا ہے اور اسے کسی وقت بھی اس سے خالی نہیں رہنا چاہیئے حتیٰ کہ وہ تمام مقامات سے باہر آ جائے۔ حق کے رازوں سے اپنی آنکھ کو آشنا کرے اور ہر ایک کے معنی کو دیکھے پس وہ آزار کی نمائش کو نگاہ میں رکھے یہاں تک کہ وہ یہ سب مقامات طے کرے۔

اس کے بعد وہ کاٹ یعنی استبداد کی بنا میں پہنچ جاتا ہے اور یہ اکتسابی نہیں بلکہ عطائی ہے۔ اس کی طاقت اس حالت میں تباہ ہو جاتی ہے کیونکہ کاٹ نمائش کی طرح ہے۔ حق کی بخشش کو نمائش چاہیے اور حق کے قریب کو کاٹ کا مقدم چاہیئے۔ یہ کاٹ اس کے راز کی آنکھ ہوتی ہے تاکہ اللہ اسے ہر مخلوق کے عدم وجود کو دکھائے۔ اس کے بعد اسے حق کی کاٹ سے آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ اس نمائش میں تیرے لیے حجت ہے تاکہ تو تمام مخلوق سے اپنی نگاہ ہٹا لے کیونکہ جو چیز بھی تیری ہم رنگ ہے وہ تیرے رستے میں تیرے راستے کا حجاب ہے۔ ہم رنگ کو ترک کر دے کیونکہ اگر تو نے میرے بغیر کوئی وسیلہ بنایا تو میری ذات سے کوئی فائدہ نہیں پا سکے گا اور اگر تو اس حالت میں ہلاک ہو گیا تو اسرار کا ظاہر کرنے والا بن جائے گا۔ میرے اشارے کو نگاہ میں رکھ کر میں حق کی طرف سے تیرے لیے ادب آموز مقرر ہوا ہوں تاکہ تو مہذب بن جائے کیونکہ حق کی بارگاہ پاک لوگوں کے لیے ہے۔ اس درگاہ میں آدمی کی پاکی ہر نشان سے بے نشانی ہے اور ہر غائب سے موجودگی ہے۔

یہ کاٹ اس لیے ہے کہ اگر وہ حق کی پکار سُنے تو اس مقام پر چل جائے اور اگر حق

اس کی طرف نگاہ فرمائے تو وہ عمل میں متفرق ہو جائے پس یہ اس کی مصلحت کے لئے ہے تاکہ وہ قوت پائے اور حق کی پرورش سے طاقتور بن جائے اور راز کی آنکھ سے ہر چیز کی حقیقت دریافت کرتے ہوئے اس سے تجربہ حاصل کرے اور ہر معنی کے وجود کے عدم سے حقائق پائے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے راز پا سکے اور اس حجاب کے دور ہونے سے ان سب کی پاکیزگی کو دیکھ سکے۔

کیونکہ حق اسے ہر چیز سے باہر لے جاتا ہے اور یوں وہ اس کاٹ کو اپنے آگے پاتا ہے۔ جس مقام پر اللہ اسے استقامت عطا کرے، اسے وہیں رہنا چاہیئے اور جس جگہ سے اللہ اسے (چلے جانے کا) اشارہ فرمائے اسے وہاں سے چلا جانا چاہیئے اس کاٹ میں انسانی جسم کے لئے خلعتِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ اسے کئی ہزار آدمیوں کے مقامات دکھائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان سب کو دیکھ کر یہ جان لے کہ اللہ نے انہیں کس مقام پر فائز کر رکھا ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی سواری کو کس طرح چاہا ہے نیز وہ یہ جان لے کہ ان سب کا اللہ کے نزدیک کیا رُتبہ ہے اور انہوں نے اللہ کے حضور میں کیا التجا کی ہے اور ہر آدمی نے اللہ تعالیٰ سے کس چیز کو اپنے لیے کافی سمجھا ہے۔ اس لیے کہ وہ مہذّب بن جائے اور بعض لوگوں کے حال سے آگاہ ہو کر تنبیہہ حاصل کرے تاکہ یہ سب کچھ دیکھ کر اسے عبرت حاصل ہو۔ یہ آدمی کے لیے یوں ہے جیسے کوئی کسی دوسرے کے ملک میں اس کی اجازت سے ہی داخل ہو سکتا ہے اسی طرح وہ اللہ کی اجازت کے بغیر اس کے ملک میں نہیں جا سکتا اور اس کے ملک میں اس کے اشارہ کے بغیر ٹھہر نہیں سکتا اور پھر اس کے ملک سے اس کی اجازت کے بغیر واپس بھی نہیں آ سکتا۔

لیکن ابھی تک اسے بینائی میں کامل نہیں بنایا گیا ہوتا کیونکہ یہ کاٹ (کا مقام) ہوتا ہے اور کاٹ کے اندر (جانے کا) اشارہ ہوتا ہے۔ بینش کی نمائش تب حاصل ہوتی ہے جب آدمی کی آنکھ میں اسے جذب کرنے کا صلاحیت ہو اور کاٹ کے مقام میں

آدمی کے دل کو یہ حالت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن بینائی اس کے راز کو معطل کر ڈالتی ہے اور یوں وہ مخلوق سے جدا ہونے کی خواہش کرتا ہے اور خلعت کی کسی شے کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس مقام پر اس کے تصرف کی آنکھ پر سے پردہ اُٹھا لیا جاتا ہے اور ان پوشیدہ معانی کو دل کے مشاہدہ کی تاریکیوں میں طلب کیا جاتا ہے تاکہ وہ حالتِ قیام میں نظر آئے مشاہدے اور بینائی کی اس کیفیت کو جذبے کا نام دیا گیا ہے اور جسے یہ حالت نصیب ہو جاتی ہے وہ تصرفِ بینش کے ان مقامات سے عاجز بن جاتا ہے۔ یہ معرفت کی آنکھ اور وہ نمائشِ حق کی تعریف ہے تاکہ حق سے حق کی پہچان ہو سکے۔

پس جسے بھی جذب کر لیا جاتا ہے اس کی زندگی اس طرح ہوتی ہے کہ وہ معنی اس عالم سے چلا گیا ہوتا ہے لیکن اس کی شخصیت یہاں موجود ہوتی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے اس معانی کو مخلوق کی آنکھ سے پنہاں کر دیا ہے۔ لوگ اہلِ حق کو صورت سے دیکھتے ہیں لیکن اس معانی کے راز کو نہیں دیکھتے جس کسی نے ان کو اس طرح دیکھا گویا اس نے ان کو نہیں دیکھا اور اگر اس نے اس معانی کے راز کو دیکھا ہے تو گویا اس نے حق کی مدد سے دیکھا ہے۔ پس جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے اولیائے حق کو دیکھا ہے تو گویا اس نے اس معانی کے راز سے استفادہ کیا ہے ورنہ اس کا دعویٰ باطل ہے۔ ہر آدمی کو خلعت نہیں پہنائی جاتی۔ آدمی کو اس طرح کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اہلِ حق نے اس طرح کے دعوے کرنے سے گریز کیا ہے۔

لیکن اہل حق، حق کی نمائش سے ہر ایک کے معنی کو دیکھتے ہیں اور ان کی شفقت یہ ہے کہ وہ ان پر پردہ ڈالیں۔ انہوں نے خداوند تعالیٰ سے آداب سیکھے ہیں۔ یہ نمائش اس آنکھ کو حاصل ہے جو ما سوی اللہ کو نہیں دیکھتی اور یہ نمائش مشاہدہ سے ہے تاکہ وہ معنی اس کی بادشاہی پر بقا پائے اور یہ زندگی فنا پائے۔ اس حالت میں ان کو زندہ کہا جاتا ہے اور ان کی اس طرح کی زندگی کو طیبہ کہا جاتا ہے اور اس زندہ کو حق سے باقی خیال کیا

جاتا ہے اور اس زمانے میں رہنے کا اہل ان کو سمجھا جاتا ہے۔

لیکن یہ عطائی سفر اس آدمی کے لئے ہے جو ان دو زمانوں کو جانتا ہو۔ وہ اس آنکھ کو بنیش کے ساتھ قربت کی طرف کھینچتے ہیں۔ وہ دو کسبی سفر جن کا بیان ہم نے پہلے کیا ہے یعنی اوّل یہ کہ بینش کو اصل میں وہ شخص ہی دیکھتا ہے جو بشریّت کی منزل سے لاتعلق ہو چکا ہو اور یہ دوسرا سفر جو روش ہے، اسے حقیقت میں وہی آدمی اختیار کر سکتا ہے جو روحانیّت کی منزل سے لاتعلق ہو چکا ہو۔ اس وقت وہ کاٹ کے سفر میں معرفت کا صحرا دیکھے اور پھر سفر میں اپنی تمام کشش کو حق کی نمائش میں مستغرق پائے۔ گویا اب وہ ایک بالغ ہے اور عالم ربوبیت میں وہ دیکھ سکتا ہے۔

معرفت کا صحرا اسے کہا جاتا ہے، جس میں مخلوق کی معرفت نہ اُگے۔ اس صحرا میں گہرے دریا موجود ہیں۔ ہم نے اس دریا کو پہلے اس لیے بیان کیا ہے کہ یہ طاق کا حکم رکھتا ہے یگانگی میں اضافہ ہوتا ہے تاکہ آدمی یگانہ بن جائے۔ آدمی کے پاک ہونے سے مراد یہی یگانگی ہے۔

وہ دونوں سفر خشکی کے تھے اب بحر کا سفر درپیش ہے۔ اس سفر کو حق کی عنایت کے ذریعے ہی طے کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دریا معرفت کا ہے اور اس دریا کا گوہر یقین ہے۔

بحرِ اوّل

معرفت

پہلا بحر معرفت ہے اور اس کا گوہر یقین ہے۔ یہ معرفت چاہتی ہے کہ عارف اپنے وجود اور جمال و کمال میں مستغرق ہو جائے۔ کیونکہ آدمی کی موجودگی اس وقت درست ہوتی ہے جب وہ معرفت کے آفتاب میں اپنے وجود کو عدم تمیز سے پائے۔ لیکن وجود کی بات ایک بڑی چیز ہے تاکہ اسے موجود رکھا جائے۔

لیکن اس بحر میں غوطہ زنی کرنی چاہیے تاکہ آدمی یقین کی صدف کو حاصل کر سکے۔ صدف کے عدم سے وہ موتی ہاتھ آجاتا ہے۔ لیکن اس شخص کی غوطہ زنی دیرانی ہے۔ یہ بحر مرد کا راز ہے تاکہ وہ معرفت میں مستغرق ہو جائے۔

لیکن اسے اللہ کی عنایت کی کشتی میں سوار ہونا چاہیئے اور آنکھ کو لطافت کے بادبان پر رکھنا چاہیئے تاکہ اس کے تصرف کی ہوا اس کی آنکھ کو اس کا رکن نہ بنا ڈالے۔ حق کے خاص بندوں کو یہ عنایت اس وجہ سے حاصل ہے کہ ان کے راز کو تمام مخلوقات سے پنہاں رکھا جائے۔ ان کو اس دریا میں مستغرق کیا جاتا ہے تاکہ اس صدف کی طلب میں ان کا راز غوطہ زنی کا مستحق قرار پائے۔

وہ صدف یقین کی آنکھ ہے اور وہ طالب ہمت کا موتی ہے۔ اس موتی کا خزانہ وہ معانی ہیں جو آدمی میں پوشیدہ ہیں۔ آدمی کا راز اسے حاصل ہے اور اس کا اہل وہ شخص

ہے جس کے راز کو پاکیزگی حاصل ہے۔ یقین اس موتی کا جمال ہے۔ ہمت اس موتی
کو پکڑنے والی ہے اور شرف اس کی ملکیت ہے۔ یہ ملکیت اس وجہ سے ہے کہ وہ موتی
آدمی تک پہنچاتی ہے۔ اس پہنچانے سے مراد آدمی کا بینائی پا لینا ہے۔

لیکن بینائی کو اس وقت تک قدر و منزلت حاصل نہیں ہوتی جب تک اسے
نمائش حق جمال نہ دکھائے جب اسے جمال دکھایا جاتا ہے تو وہ اس معانی کو عدم صرف
سے وجود میں لاتا ہے تاکہ دوست کے مشاہدہ کا شاہد بن جائے اور وہی قول پائے جو اس
نے شروع میں پایا تھا اور تاکہ وہ روزِ میثاق کے عہد کو تازہ کر سکے۔

لیکن اس منزل میں چند قسم کے نور اس آدمی کی منزل بنتے ہیں۔ یہ اس کی ولایت
ہے کہ اللہ اس کو پاکیزگی سے باہر نہیں لے گیا۔ صدق کا نور، نور یقین کے نور سے ہے۔
یہ ایک ایسا نور ہے جو حق کے جمال کی چمک سے ہے تاکہ اس کے تصرف سے راز
کا پتہ لگ جائے۔ اس وقت اسے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور ہزارہا عالم اس کی چمک
میں مستغرق کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر اس سے ایک ذرہ بھی اہلِ دنیا پر ظاہر کیا جائے تو
وہ سب اپنی جانیں قربان کر ڈالیں۔ لیکن اللہ اپنی عنایت اور لطف سے اس راز کو طاقت
بخشتے ہیں تاکہ وہ اس کے دیکھنے کی تاب رکھ سکے۔

جب آدمی موتی کو اس ہمت کے ذریعے پکڑتا ہے تو وہ تمام مخلوقات سے بے نیاز
ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر ایک بہت بڑا ملک ظاہر ہو جاتا ہے جس کا نقاب یہ موتی ہوتا
ہے۔ ہمت تمام ارادوں کو ایک ارادت میں جمع کر دیتی ہے تاکہ آدمی کی بے نیازی
کی صفت اپنے اختیارات کے بارے میں درست ہو جائے۔ اس کے بعد یہ موتی آدمی
کو اس پوشیدہ معانی تک پہنچا دیتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ اس کے سامنے سے دنیا اور
عقبیٰ کا حجاب اُٹھا دیتے ہیں۔ اس کے پہنچانے سے یہ مراد ہے کہ آدمی کی نگاہ ان دو جہانوں
سے لاتعلق ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ہمت ان معانی کے تابع ہو جاتی ہے اور

اس کا راز ہمت کے تابع ہو جاتا ہے اور اس کا دل راز کے تابع ہو جاتا ہے۔

وہ سب کا سب اسی وجہ سے دریا میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ وہ معنی حق کا مجذوب ہوتا ہے۔ آدمی کو پاکیزہ اسے لیے کہا جاتا ہے کہ اس دریا میں اس کی حالت یونہی ہو جاتی ہے۔

لیکن لاکھوں غافلوں کو اس اُمید کا مگرمچھ کھا گیا ہے اور وہ دریا کو نہیں پا سکے۔ اس دریا کا سفر وہی آدمی کر سکتا ہے جس کی حق کے نزدیک کوئی قدر نہ ہو۔ جس نے اپنے افعال میں سے کسی چیز کو بھی اسباب نہ بنایا ہو۔ جس کسی کی عالم خیر کی طرف نظر اور کوئے عافیت میں گذر ہو اس پر اس دریا کی گفت وشنید حرام ہے۔ کیونکہ اس دریا میں جان کو قربان کرنا پڑتا ہے اور یہ چیز ہر آدمی کو نصیب نہیں ہوتی۔ جنہوں نے اس بحر کا سفر کیا ہے، اگر ہر قدم پر ان کی گرفت میں صد ہزار جانیں ہوتیں تو وہ اس نعمت کے شکرانے میں ان کو قربان کر دیتے۔

بس اس بحر میں بہت زیادہ عجائبات ہیں اور ان عجائبات کو اس موتی کے جمال سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا بہت ہی معمولی عجوبہ یہ ہے کہ آدمی کو فانی بنا ڈالتا ہے تاکہ بقا کی دید سے اس پر کوئی اثر نہ رہے۔ بس اس موتی کے پانے سے اسے باقی بنا دیا جاتا ہے۔ آدمی کی بقا کا ثبوت اس موتی کا ظاہر ہونا ہے اور اس معنی نے حق کے مشاہدہ سے بقا پائی ہے۔ پس جب آدمی نے اپنی جان قربان کرنے سے بقا پائی ہے تو پھر اس کی بقا کب ختم ہوگی؟ اہلِ حق نے بقا حق کی بقا سے پائی ہے۔ ان کے نزدیک اس بقا سے مراد فنا ہے جو کوئی اپنی جان سے باقی ہے اس پر نزع کے وقت "ارجعی" (سورہ الفجر، آیت ۲۸، پارہ ۳۰) کے معانی درست نہیں آتے جو لوگ حق کی بقا سے زندہ ہیں ان کے ان معانی نے اپنے پروردگار سے محبت اور الفت رکھی ہے اگرچہ وہ دنیا میں رہا ہے لیکن اس نے اپنے دوست کو پہچان لیا ہے۔ وہ ہر لحظہ میں اپنے اللہ کی طرف واپس لوٹ رہا ہے۔

جب نزاع کا وقت آتا ہے تو "اِرْجِعِیْ" کی پکار اس معنی کی خبر دیتی ہے کہ تو اپنے پروردگار کی طرف واپس لوٹ۔ پس جب تک وہ کئی بار اس راستہ پر نہ چلا ہو اس وقت تک وہ اس اشارے سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔

پس یہی پکار اس چیز کا سبب بنی ہے کہ اسے دو راستوں سے واپس بلایا جاتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں "فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ" (سورہ الذٰریٰت، آیت ۵۰، ترجمہ: پس تم اللہ ہی کی طرف دوڑو) سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کون سے راستے سے حق کی طرف چلا ہے۔ اِرْجِعِیْ کا مطلب یہی ہے کہ اس نے اپنے دوست کو پہچان لیا ہے اور اس نے اس پکار کو کئی بار سنا ہے۔ وہ اس دنیا میں اسی کے حکم سے رہتا ہے اور جب اسے حکم ملتا ہے کہ لوٹ آ تو وہ اس کی عنایت سے ہی لوٹتا ہے۔ اگرچہ اس وقت اس کی جان قبض کرلی جاتی ہے۔

کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام صدف کے قبض کرنے والے ہیں، موتی کے قبض کرنے والے نہیں ہیں، کیونکہ اس موتی کو حق نے کسی واسطہ کے بغیر اپنی خودی سے اس صدف میں رکھا ہے۔ لہٰذا اُٹھائے جانے کے وقت بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ کی بارگاہ سے اس منزل میں آنا بھی کسی واسطہ کے بغیر تھا لہٰذا اس منزل سے لوٹتے وقت بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے روح کا علم کسی کو نہیں دیا یہ اس موتی کی حرکت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اگر صدف کی کہانی بیان کی جاتی تو وہ بیان میں کس طرح سما سکتی تھی؟

اگرچہ بعض لوگوں کو صدف کے زوال کی وجہ سے حضرت عزرائیل کا دیدار نہیں ہوتا کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کو روح سے قائم خیال کیا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ حضرت عزرائیل کے پاس آنے کی وجہ سے خوش ہیں، کیونکہ حضرت عزرائیل، روح اور بقائے بشریت میں دیدار اس کے واسطے ہیں اور جب وہ ان واسطوں سے خلاصی پاتے ہیں تو وہ کلمہ "اِرْجِعِیْ" پر عمل کرنے والے بن جاتے ہیں۔ وہ دنیا میں آئے اور

اس سے چلے گئے۔ انہوں نے لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھا اور پھر سب کو صدف کے فراق سے چھوڑ گئے لیکن انہیں دنیا اور لوگوں کی کوئی خبر نہ تھی اور وہ دنیا سے پاک وصاف چلے گئے ہیں۔ اس لئے کہ وہ غوغائے بشر سے آلودہ نہیں ہوئے۔

جب تک وہ دنیا میں ہے، آدمی کے اعضاء آراستہ رہتے ہیں اور جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو وہ آراستگی بھی اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جس طرح کہ سورج چڑھتا ہے تو ساری دنیا کی روح بن جاتا ہے۔ اہلِ دنیا اس کی روشنائی میں عمل کرنے لگتے ہیں۔ جب رات آتی ہے تو وہ تاریکی پھیلا دیتی ہے تاکہ تمام اہلِ دنیا عمل کی بجائے ساکن ہو جائیں۔ پس وہ معنی بھی انسانی اعضاء کا سورج ہے تاکہ وہ ان سب کو حرکت میں لائے۔ اس کے بعد وہ اپنی ہجرت کے فراق سے سب کو معطل کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ حق نے اس کو اپنے مشاہدہ کے لطف سے روح میں مرکب کیا ہے۔ اس کی لطافت سے اس کی چمک سب انسانی اعضاء کو حاصل ہے جس نے ان سب کو منور کر دیا ہے۔ آنکھ کو بینائی دی ہے، ناک کو سونگھنے کی طاقت بخشی ہے، زبان کو بولنے کی طاقت عطا کی ہے، ہاتھ کو پکڑنے کی ہمت دی ہے، پاؤں کو چلنے کی طاقت عطا کی ہے، دل کو محبت بخشی ہے، راز کو صفائی دی ہے اور اس معنی کو مشاہدہ عطا کیا ہے۔

پس آدمی کو معرفت کا جمال اس وقت ہوتا ہے جب وہ خدا کی تعریف سے ان رازوں کو پہچانتا ہے، وہ ان سب کے ذریعے حق کی قربت پاتا ہے، لیکن اسے روزِ میثاق کی پکار کی پاسداری کرنی چاہیئے کیونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس معنی کو اس بشر کی ولایت میں ملکیت بنایا ہے۔ تاکہ وہ اس کے حکم میں رہے۔ اور اس کا سننا اللہ سے ہو۔ اس کا راستہ اس کی طرف جاتا ہو اور اس کی کشادگی اللہ سے ہو۔ عارف کے لئے معرفت کا جمال تمام مخلوقات کی معرفت سے زیادہ بہتر ہے کیونکہ وہ اس دنیا میں حقیقی دوست کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا۔ وہ یہاں محرم ہے اور وہاں بھی محرم ہے۔ کوئی آدمی اس کے معنی سے آگاہ

نہیں ہوتا اور وہ کسی آدمی کی پہچان کرنے میں مشغول نہیں ہوتا، کشف پر کشف زیادہ ہوتا ہے اور اس کی زیادتی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس پر ظاہر ہوتا ہے۔ محبت پر محبت زیادہ ہوتی ہے اور قرب سے قرب۔ اس کی نگاہ غیرت سے اس عالم میں ہوتی ہے کیونکہ وہ ہر آدمی کو چیزوں سے مشغول دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے دیکھتا ہے۔ وہ چمک جس کے رموز کو حق تعالیٰ نے آراستہ فرمایا ہے۔ اگر وہ اہل کُفر کو دکھائی جائے تو وہ سب کے سب بتوں سے نفرت کرنے لگیں اور اگر دریاؤں پر ظاہر کی جائے تو وہ سب آبِ حیات بن جائیں اور اگر عام آدمیوں پر ظاہر کی جائے تو وہ سب حسرت سے جان قربان کر دیں اور اگر پہاڑوں پر ظاہر کی جائے تو وہ سب عقیق اور ہموار بن جائیں اور اگر زمین پر ظاہر کی جائے تو وہ سب چاندی اور سونا بن جائے۔

پس حق نے اپنے لطف سے ان کو اس معنی کا حامل بنایا ہے تاکہ وہ اسے حق کی قوت سے اسی طرح اُٹھائیں کیوں کہ معرفت کے سورج کو کوئی آسمان نہیں اُٹھا سکتا جو معنی اس میں پوشیدہ ہے وہ معرفت کے سورج کا آسمان ہے، اس کے سوا کوئی آدمی بھی اس معنی کو نہیں اُٹھا سکتا۔

لیکن اس کا سر مشرق ہے اور اس کا دل مغرب ہے۔ یہ سر سے نکلتا ہے اور دل پر چمکتا ہے۔ یہ مشرق اور مغرب حق تعالیٰ کے ہیں، عارف کی ملکیت نہیں ہیں، لیکن ایک نظارہ ہے تاکہ وہ اس چمک میں خشکی اور بحر کو دیکھ سکے اور ہر ایک کے عجائب کو دیکھ سکے۔ جو سورج بشر کی مرغزار پر چمکتا ہے اس کی گرمی ہستی اور عادت کی نباتات کو خشک کر دیتی ہے اور دید کے درختوں کو مٹا دیتی ہے اور ہستی کے پھول کو پژمردہ بنا ڈالتی ہے لیکن محبت کے پھول کو کھلاتی ہے اور ارادت کی نرگس کو اُگاتی ہے اور وصال کے بنفشہ کو خوشبودار بناتی ہے اور اُنس کی یاسمین کو اُنس سے جمال بخشتی ہے اور صدق کے سمن کو صاف بناتی ہے اور موافقت کے سوسن کو حاضر کرتی ہے اور یگانگی کی سونف کو پیدا کر دیتی ہے اور وفا کی نیلوفر کو

بوستان میں سجاتی ہے اور اُلفت کے لیموں کو حاضر کرتی ہے اور حال کے سنگترے کو رنگ دیتی ہے اور وقت کے انار کو نفع بخش بناتی ہے اور نیاز کی بلبل کو مغلوب اور مست بنا ڈالتی ہے اور قرب کی ہوا کو اس بوستان میں چلاتی ہے اور محبت کے شراب کو عنایت کے پیالے میں ڈالتی ہے اور نیاز کی سحر گاہ میں اس عارف کو چکھاتی ہے۔

اس کے بعد اس کی زبان کو سوال میں لاتا ہے، اس کے دل کو اضطراب میں ڈالتا ہے اور اس کے سر کو کشادگی میں لاتا ہے۔ تاکہ وہ دوستی کی صبح میں وصال کے کوچہ میں اپنے نفس کی عاجزی ظاہر کرے اور دوست سے وہی کچھ مانگے جس کی دوست نے اسے اجازت دی ہے۔ کیونکہ یہ تمام ثمرات عارف کے ہیں۔

جب اہل معرفت کو اس سے آگاہ کیا جاتا ہے تو عارف اس مقام میں مست ہوتا ہے۔ کیونکہ دوست اسے کسی واسطہ کے بغیر شراب دیتا ہے، نہ وہ اس کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ اس کے سوا کوئی اور۔ اس کو حق کا "والہ" کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی "والہی" آثارِ الٰہی سے ہوتی ہے۔ اس کی ہشیاری سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں کسی عادت کی آفت نہیں ہوتی اور اس کی مستی سب سے زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ خود سے کوئی بات نہیں کرتا۔ اس مستی میں وہ دنیا اور آخرت کو بھول جاتا ہے۔ اس کی حرکت سکون بن جاتی ہے اور اس کا ذکر سکوت بن جاتا ہے۔ وہ اپنے حال اور وقت سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے مقامات کے لگاؤ سے جدا ہوتا ہے۔ اپنی تقدیر کے اسباب اس کی ملکیت میں نہیں رہتے اور وہ اپنی آگاہیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ عارف کی مستی "والہ" کا حکم اس لئے رکھتی ہے تاکہ وہ اپنی ذات میں اور اپنے سوا دوسری چیزوں میں پہچانا جائے۔ جب وہ حق کو پہچان لیتا ہے تو وہ اس وقت تک حق سے اپنی طرف واپس نہیں آتا جب تک اللہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ حق کی معرفت مخلوقات کی معرفت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

عارفوں کی حیرانی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اپنے معروف حصّہ کو ترک کر دیا ہے۔
ان کی حیرانی اپنے حق اور حد کے بارے میں یوں ہوتی ہے کہ وہ بڑی دانائی سے ہر بچے سے زیادہ بچہ بنے رہتے ہیں لیکن حق کی پہچان کے بارے میں وہ ہر بالغ سے زیادہ بالغ ہوتے ہیں۔ حق کی بینائی نے ان کو پسند کر لیا ہے اور حق نے ان کو اپنی بارگاہ میں حاضر کر لیا ہے اور اس نے ان کو مشاہدہ کے مطالعہ میں قائم کیا ہے۔ حق ان کے مشاہدہ کی بینائی ہے تاکہ وہ ایک لحظہ بھی اس وقت تک اللہ سے اپنی طرف واپس نہ آئیں جب تک اللہ روزی کی مصلحت کے لئے ان کو ان کی طرف واپس نہ کرے۔ اللہ ان کو ایک دفعہ ان کے امر کے وقت واپس کرتا ہے تاکہ وہ اس نظر سے مشاہدہ کر سکیں۔ وہ معنی ان میں ہمیشہ موجود رہتا ہے۔

لیکن جسموں کو اس معنی کی پیروی میں نماز کے احکام کے ارکان میں آجانا چاہیئے۔ اور ان کو نماز پڑھتے وقت اس معنی سے حجاب میں نہیں کیا جاتا۔ مناجات کا سرور اور قیام کا صدق اس معنی کو حاصل ہے کیونکہ رکوع، سجود، تکبیر، قرأت، قیام اور تشہد کا تعلق انسانی اعضاء سے ہے اور محبت، خشوع، خضوع، خوف، رضا اور تسلیم کا تعلق دل سے ہے۔ اس حرکت کے حکم کو بجا لانے کے لیئے ان کو واپس کیا جاتا ہے کیونکہ وہ معنی ایک واحد جوہر کلمہ میں آیا ہے اور وہ نظر میں ہے اور دیگر سب چیزیں اس کی تابع ہیں۔

ایک بار اور ان کو ان کے کھانے کے وقت واپس کیا جاتا ہے۔ ان کی خوراک یہ طعام اور پانی نہیں ہے بلکہ ان کے معنی کی خوراک مشاہدہ ہے اور ان کے راز کی غذا لطفِ بادشاہی اور اللہ تعالیٰ کی نوازشیں اور نعمتیں ہیں اور ان کے دلوں کی خوراک اللہ کی محبت اور مُوانست ہے۔ ان خوراکوں کے علاوہ دوسری چیزوں کا کھانا پینا انہیں گوارا نہیں ہے۔ وہ طعام اور پانی سے اس مجلس میں محفوظ ہوتے ہیں۔ اُس مجلس میں ان کو تناول نہیں کرتے۔ ایسی غذا کھانے کے وقت ان کو واپس کیا جاتا ہے۔

ایک بار اور انہیں ان کی نیند کے وقت واپس کیا جاتا ہے۔ پس نیند سے مراد اپنی حضوری سے غائب ہونا ہے۔ وہ نیند کے وقت حلفائے حجاب کے تصرف سے غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا دل غائب ہو جاتا ہے۔ ان کا سونا اسی لئے ہے اور اس سے مراد اس معنی سے غائب اور غافل ہو جانا ہے۔ پس یہ غفلت حق کی طرف سے ان پر رحمت ہے کیوں کہ رحمت سے مراد آرام پانا ہے۔ بس یہ سب کچھ ان کے لئے آسائش ہے اور حق کی طرف سے ان پر بخشش ہے۔ پس اس طرح ان کی غفلت تمام مخلوقات کی حضوری ہے۔

لیکن عارف کے لئے ایک سماع ہے جو بشر کے واسطہ کے بغیر ہوتا ہے اور یہ سماع اس معنی کو حاصل ہے۔ لیکن جاننا چاہیئے کہ اس سماع میں اس کو یوں سنایا جاتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس معنی کو مخاطب کرتے ہیں کہ،

"میری دوستی کا عہد پورا کر کیوں کہ میں تیرا خدا، بادشاہ، پروردگار، محبوب اور پہچانا ہوا ہوں جس نے تجھے خود کسی واسطہ کے بغیر دوست رکھا ہے اور میں نے چاہا ہے تب تجھے اس دوستی پر قائم رکھا ہے۔ میں نے تجھے اپنے مشاہدہ میں رکھا ہے۔ اور میں نے کہا کہ تو میری عزت سے عزیز بنا رہ ——— اور میری بے نیازی سے طاقتور بنا رہ ——— اور میرے اذن سے سننے والا بنا رہ ——— اور میری بقا سے باقی رہ کہ تیرا خدا میں ہوں۔ اور میری ارادت کے حکم میں رہ کہ میں نے تجھے چاہا ہے اور تو نے میرے چاہنے پر مجھے چاہا ہے۔ میں نے اپنی تعریف کی ہے تب تو نے مجھے پہچانا ہے ——— اور میں نے تجھے ہدایت بخشی ہے تب تو میری وحدانیت کی طرف راغب ہوا ہے اور میں نے اس دوستی کو تیری خلعت بنایا ہے تب تو نے مجھے اپنا دوست بنایا ہے۔ اب میں تیرا دوست ہوں اور تو میرا دوست ہے۔"

عارف سماع میں یہی سنتا ہے۔ جس کسی کو سماع میں یہ سنائی نہیں دیتا اور جس پر یہ

انعام نہیں ہوتا اس کا سماع سماع نہیں ہے۔ کیونکہ میثاق کے دن یہی سماع ہوا تھا کہ نیز اخدا میں ہوں۔ اس معنی کو ہر سماع کے وقت یہی سماع حاصل ہے۔ اس سماع کو ایک ایسا سماع کہا گیا ہے جو بندے اور حق کے درمیان کسی واسطہ کے بغیر سنا جاتا ہے۔ تاکہ وہ حق سے سنے اور حق سے کہے سننے والے کے سماع کا راز یہی ہے۔

اس سماع کے اہلوں کے لئے سماع میں سماع ہے۔ اس کا سماع یہ ہے کہ وہ ندائے حق کو سنے۔ اس کو سماع میں ایک اور لطف حق سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا پینا پینے میں ہے اور اس کا پینا دو جہانوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس کے پینے میں پینا یہ ہے کہ وہ دوست کے مشاہدہ میں اسرار پائے۔ اس سننے والے پر مستی غالب رہتی ہے۔ وہ ایک غلبہ سے باہر نہیں آتا کہ اسے دوبارہ مغلوب کر دیا جاتا ہے۔ یہ غلبہ اس کے راز کو حاصل ہوتا ہے جو نور پر نور کی زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قوی بن جاتا ہے اور اپنے عالم بشریت سے معزول ہو جاتا ہے۔ پھر جب اس کو اس کے عالم بشریت میں لایا جاتا ہے تو وہ رکا ہوا عارف نہیں ہوتا بلکہ چلنے والا عارف ہوتا ہے۔

عارف کا دریائے معرفت میں استغراق یہی ہے اور اس کا صدف کو ہاتھ میں لینا اور موتی کو پالینا یہی ہے۔

لیکن ہر موتی کو پکڑتے وقت جان پر کھیلنا چاہیئے تاکہ وہ اس بات کی حقیقت کو دیکھے نہ کہ اس کی صورت کو۔ کیوں کہ وہ کسی چیز کی حقیقت کو اس کی صورت کے ذریعے نہیں پا سکے گا اور دلیل کو اس پر مجال نہیں ہے کیونکہ بحرِ معرفت میں آدمی کی دلیل اس کی فنا ہے۔ کیونکہ معرفت کا گوہر عزیز ہے۔ عزیز نیک ہونا چاہیئے اور بات استوار، تاکہ آدمی اس تک پہنچ سکے۔ کیونکہ جو کوئی اس تک پہنچ جاتا ہے معرفت اس سے تمیز کا تصرف مٹا دیتی ہے۔

لیکن اس بحر کے سفر میں جان فدا کرنی چاہیئے کیونکہ جان تیری ذات کو بقا دیتے

والی شے ہے۔ پس اپنی ذات کی بقا پر انحصار کم کرنا چاہیئے اور دل کو فدا کر دینا چاہیئے۔ کیونکہ دل مقامات کا مقام ہے اور مقامات سے ہجرت اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ اس موتی کو اس وقت تک نہیں دیکھا جا سکتا جب تک تمیز کی نفی نہ ہو جائے کیونکہ تمیز معرفت کے راستے پر چلنے والے عارفوں کا بڑا ہمسفر ہے۔ عارف کے لئے اس سے منہ پھیر لینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ معرفت میں تمیز کی کوئی جگہ نہیں ہے جس طرح کہ کہنے والا کہتا ہے ؛

این معرفتِ دوست عزیز است عزیز
زان محو کند ز عارفِ خود تمیز
جان در سفرِ بحرِ خدا کُن ، دل نیز
در دیدنِ دُرّ نکو نباید ہر چیز

بحرِ دوّم

جلال

دوسرا بحر جلال ہے اور اس کا موتی حیرت ہے۔ یہ بحرِ جلال بہت ہی گہرا بحر ہے۔ اس کی نہایت تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے کہ اس کی کوئی نہایت نہیں ہے لیکن مسافر کے لئے اس میں ابتدا اور انتہا ہے۔ پس اس قسم کے بحر میں سفر کرنے سے غوطہ زن کے ہاتھ میں حیرت کے سوا کیا آئے گا ؟ اس بحر کی صدف حیرت کا موتی ہے کیونکہ اس کی اس طرح کی ہر موج نے کئی ہزار تمیز کی حامل مخلوق اور تصرف کی ولایت کو اپنی بادشاہی میں مستغرق کر ڈالا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں جلال کی رمز بیان کی گئی تھی لیکن اب یہاں اس کی شرح بیان کی جاتی ہے۔

علمِ جلال اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ حکمِ جلال اور مقامِ جلال اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ کشفِ جلال اور کشفِ جلال اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ عینِ جلال — لیکن یہ جاننا چاہیئے کہ ان سب کے پانے سے آدمی کے مراتب کیا ہو جاتے ہیں۔ یہ جلال ایک بزرگواری ہے جس کے لائق معبودِ حقیقی کے سوا کوئی نہیں ہے۔

علمِ جلال کا جاننا یہ ہے کہ آدمی حق کو بزرگوار رکھے اور یہ آدمی کے اقرار کی تصدیق ہے لیکن جاننا چاہیئے کہ اس علم کی تاثیر آدمی پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب وہ اپنی بزرگی کو نہ دیکھے اور جب وہ اللہ کو ہی بزرگ سمجھے اور جب اس سے اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت

اور سکونت نہ ہو، کیونکہ یہ علم اپنے اہل کو اسی مرتبہ پر پہنچاتا ہے۔

اس کے بعد حکم جلال ہے۔ چونکہ یہ اپنی چمک سے آدمی کے اختیارات کے دعویٰ کو ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ نمائش کے حکم میں اپنی بینش میں آجاتا ہے تاکہ ہمیشہ حق کے حکم میں حاضر رہے۔ کیونکہ حق اہل جلال ہے۔ اور بحر جلال کی صدف خدا کی حضوری کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

لیکن کشف جلال آدمی کو دکھایا جاتا ہے اور وہ ہر اس حکم اور رکن کے راز کو پالیتا ہے جس کا اسے اللہ کے حضور میں حاصل ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ ہر حاضر کو اس چمک سے پاک بننا چاہیئے تاکہ وہ اللہ کے حضور میں حاضر ہو سکے کیونکہ حاضر چلنے والے ہیں اور غائب رک جانے والے ہیں۔

اس کے بعد جس کو عین جلال ہوتا ہے وہ اس آنکھ سے دیکھنا نہیں چاہتا۔ لیکن یہ اس کے وجود کا عیاں کرنا اور اس کا عدم سے غیب ہونا ہے۔ اس کی زندگی کو تجلی حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ اس بحر کا مسافر بن سکے۔ کیونکہ غوطہ زن اس وقت دریا میں چھلانگ لگا سکتا ہے جب وہ اپنے تمام وجود سے نفرت کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ موتی کو نہیں پاسکتا۔ پس بےخودی اس کا لباس بن جاتا ہے۔ اس بحر کے لئے زیادہ موزوں وہ ہے جو بےخود ہو۔ پس جب تک جلال حق اس کو اپنی ہمت عطا نہ کرے اس وقت تک وہ اس بحر میں غوطہ زنی نہیں کر سکتا۔

لیکن علم جلال دل کو ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ کی ذات کی مدد سے طاقتور بن جائے اور دوستی کا بوجھ اٹھا سکے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع بن سکے۔

حکمِ جلال ستر کو حاصل ہے تاکہ آدمی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہو جائے اور مخلوق کے حکم کی قید سے آزاد ہو جائے اور دوست کی تعظیم کے بند میں بندھ جائے۔

اس کے بعد کشفِ جلال ہے جو راز کی آنکھ کو حاصل ہے اور اس آنکھ کو ہمت کہتے

ہیں۔ تاکہ وہ اس کی چمک میں بے نیازی کے عالم کو دیکھے اور تمام مخلوقات سے نظر کو ہٹالے اللہ تعالیٰ ان معانی کو اس آنکھ پر عیاں کرتے ہیں تاکہ آدمی کے سارے وجود کو اس سے چھینا جا سکے۔ ان معانی کو مشاہدہ جذب کرتا ہے۔ ان معانی کو دل کے راز میں اس لئے ڈالا جاتا ہے تاکہ آدمی اللہ کے اشارہ کو حاضر پائے کہ وہ خود ہمیشہ اس کے سامنے ہے۔

لیکن جب تک آدمی اس دریا میں حضوری کی صدف کو نہیں پاتا اس وقت تک وہ معنی جو موتی ہے، اس پر جمال نہیں کرتا۔ کیوں کہ جمال کو دیکھنے والا محرم ہونا چاہیئے۔ جب تک جلالِ حق آدمی کے دل پر غلبہ نہیں کرتا اس وقت تک وہ محرم کہلانے کا حقدار نہیں بن سکتا، حاضر رہنے والوں کو اس بحر کے سفر میں بہت بڑا خطرہ درپیش ہے۔ کیونکہ اگر خدا کے حضور سے ایک لحظہ کے لئے بھی غائب ہونا ان کا ہمسفر بن جائے تو وہ بارہا اس بارگاہ میں نہیں پہنچ سکتے۔

لیکن حاضر بن کی تین قسمیں ہیں۔ ایک اپنے علم سے حاضر ہے۔ وہ علم کے ساتھ حاضر نہیں بھی رہ سکتا کیونکہ ان کا تعلق اللہ کی ذات سے ہوتا ہے۔ لہذا اس کو ظاہر اور باطن میں اسی طرح رہنا چاہیئے۔ کیونکہ مخالفت کی وجہ سے وہ کوئی چیز بھی نہیں پاسکے گا۔ کیونکہ راہِ حق موافقت کا رستہ ہے۔ مخالف حاضر نہیں ہو سکتے۔

اس کے بعد وہ ہیں جو اللہ کے حکم سے حاضر ہیں، کیونکہ ان پر کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہوتی جو ان کو اللہ کی درگاہ سے غائب کرے۔ اگر کوئی ایسی چیز ان پر وارد کی جائے تو وہ ان کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے اور اگر وہ اس چیز کے وارد ہونے کو محسوس کریں تو وہ اللہ کے حضور میں اس چیز کے اٹھائے جانے کی فریاد کرتے ہیں۔ کیونکہ ان حاضر بن پر ایک لحظہ بھی اللہ کی درگاہ سے غائب رہنا اس حجاب سے زیادہ سخت ہوتا ہے جو تمام اہلِ دوزخ کے لئے ہے اور یہ حکم ابدیت کو واجب کرتا ہے۔ ہر کسی کو یہ حکم حاصل نہیں ہوتا کہ وہ کشف کو اپنی طرف کھینچ سکے اور یا اس کے حکم میں استقامت کر سکے۔ جو آدمی اس

حکم میں ہے اس کے دل میں کسی چیز کا غم باقی نہیں رہنا چاہیئے لیکن کبھی وہ فراق میں اور کبھی فراق کے غم میں اور کبھی وصال کی اُمید میں ہوتا ہے۔ اس کی ہمت کی چراگاہ اس بوستان میں ہے۔ وہ کبھی ناز کرتا ہے اور کبھی پگھلتا ہے۔ اسے اپنے ناز میں یوں اُمید ہوتی ہے کہ گویا دوست اس کو اپنا دیدار کرائے گا اور پگھلاہٹ میں وہ یہ خیال کرتا ہے کہ دوست اسے داغ مفارقت میں رکھے گا۔ اس کی حاضری ان دو تصرفات کے لئے ہے۔

اس کے بعد وہ ہے جسے کشف ہے۔ وہ ہمیشہ اس معنی کی موافقت میں حاضر ہے۔ جو اس میں پوشیدہ ہے۔ لیکن حق اس سے لیتا ہے اور اسے دیتا ہے۔ جب اللہ اس کو کشف میں لاتا ہے تو اس سے عالم تمیز چھین لیتا ہے اور اسے اس کے احوال واوقات سے باہر لاتا ہے تاکہ وہ اپنے احوال کی تعریف کرنے والا نہ بنے۔ اس کے بعد جب اسے واپس کیا جاتا ہے تو وہ احوال اس پر فراموش کر دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ ماسوی اللہ کی یاد میں نہ رہے کیونکہ اس کی حاضری حق کے لئے ہونی چاہیئے نہ کہ اپنے حجاب کے کشف کے لئے۔ کیونکہ حاضروں کا نصیب محو ہو چکا ہے۔ آدمی کو تجلی اس لئے ہوتی ہے تاکہ اس کے راز سے یہ تصرف چھین لیا جائے۔ اس کے احوال کی بقا کو وقت کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ حق کی کبریائی کا دفتت اس کا نشان بن جاتا ہے۔ وہ نشان اس کا پردہ ہے۔ حیرانی کے حال میں اس پر رک جانا واجب کیا جاتا ہے۔ جب یہ نظر دیکھنے سے عاری ہو جاتی ہے تو وہ غرق ہو جاتا ہے۔ تاکہ اس آنکھ کے بغیر اللہ کی عنایت کی موج اسے دریا سے باہر پھینک دے۔

لیکن وہ دامن کے حجاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ جب فراق اس کو ارادت کی قید سے رد کرتا ہے تو دنیا یا آخرت اس کے قریب نہیں آتی۔ وہ اہل بہشت کی نعمتوں، اہل دوزخ کی مصیبتوں اور زمانے اور اپنے احوال سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اگر وہ ہمیشہ اسی محل میں پڑا رہے تو وہ حسرت کی حرارت سے جل جائے۔ اس وقت حق یہ حالت اس سے

چھین لیتا ہے اور اسے اپنی عنایت کی کشتی میں بٹھاتا ہے اور اس پر لطف کرتا ہے۔ اس کے بعد عنایت کے موتی کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کی کشتی کو جزیرے کے کنارے پر پہنچائے تاکہ قبض کا حجاب محو ہو جائے اور وہ بسط کے بوستان کو سجائے اور اس کی اُمید کے گلاب پر پھول کھلیں ــــــ اور وہ اپنے سرائر کو مناجات اور نیازمندی سے آراستہ کرے اور وہ بے نیاز بادشاہ کی درگاہ میں اپنی نیاز کو عرض کرے کہ ــــــ "اے مالک! تُو نے فرقت کی آگ میں ہماری ہمت کو جلا ڈالا اور تُو نے اپنے فضل و عنایت سے ہم کو جزیرے کے کنارے پر پہنچایا۔ اب ہمیں محل میں مقیم کر دے کیونکہ یہ بڑی راحت بخش منزل ہے اور یہ بزرگی اور خوشحالی والا مقام ہے۔"

اس وقت حق کا قاصد اسے آگاہ کرتا ہے کہ ــــــ "یوں نیاز کرنے سے رُک جا ــــــ کیونکہ یہ تیرے انبساط کا مقام نہیں ہے۔ تجھے اس کے حکم میں رہنا چاہیئے نہ کہ اس کو تیرے حکم میں رہنا چاہیئے ــــــ کیونکہ حق کی بزرگی تجھ پر اس لئے کشف ہوتی ہے کہ تجھ میں ارادت نہ رہے۔" اس وقت اللہ تعالیٰ اس پر یہ انبساط کھولتا اور بند کرتا ہے۔ اس کو اسی گردش میں رکھا جاتا ہے۔

لیکن اسے اپنے زمانے کے احوال کے راز کو پانا چاہیئے اور ہر معنی کی حقیقت کو دیکھنا چاہیئے۔ اس لئے کہ اگر اسے اس محل سے دوسری جگہ لے جائیں گے تو اس کی درخواست بے ادبی ہے اور اگر اسے دوسری جگہ نہ لے جائیں گے تو اس کی درخواست اجتہاد کرنا ہے۔ دونوں حالتوں میں حرمت کو نگاہ میں رکھنا زیادہ افضل ہے۔ اسے اللہ کے حضور سے ان چیزوں کی بدولت غائب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اہلِ جلال کو اس چیز کا علم نہیں دیا جاتا جس کا اہلِ جمال کو حکم دیا جاتا ہے۔ جب تجسّس اور تصرّف کرتا ہے تو وہ اس فراق سے یوں ڈرتا ہے کہ نعوذ باللہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس چیز سے خائف رہنا چاہیئے اور خود کو بے ادبی کا مرتکب ہونے سے روکنا چاہیے کیونکہ کتنے ہزاروں لوگ اللہ تعالیٰ کی قربت سے

اس لئے معزول ہو گئے ہیں کہ انہوں نے خود کو قریب سمجھا اور کتنے ہزاروں لوگ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت میں جا پہنچے ہیں کہ انہوں نے خود کو دور خیال کیا ہے۔

پس تمام مخلوقات کا علم حق کے علم کی طرف جہالت ہے۔ تاکہ وہ سب بندے کے عدم گمان سے موجود آجائے اور یہ کہ اس نے اپنے علم سے خدا کو جانا ہے۔ تاکہ خدا اس وقت بندے کو خود میں مبتلا کر دے۔ تاکہ اسے اس کی جہالت کے مقام سے مقام علم تک پہنچائے۔ بدبخت نہیں جانتا کہ وہ بدبخت ہے اور خوش بخت یہ نہیں جانتا کہ وہ نیک بخت ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے سوا کوئی شخص یہ علم نہیں جانتا۔ اس وجہ سے وہ عدم جہالت ہے۔ جب لوگ اپنی سعادت اور بدبختی کے مرتبہ کو برقرار کریں اس وقت وہ جہالت سے علم میں آجاتے ہیں۔

اب وہ احکام اللہ کو جاننے والا ہے لیکن عالم باللہ ہے کیونکہ اس کے سرائر میں جو کچھ عدم سے وجود میں آتا ہے وہ ارادتِ حق کے دیدار سے ہوتا ہے۔ وہ ان چیزوں کا راز اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کے مشاہدہ سے دیکھتا ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کی نمود کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ جب اللہ اسے یہ دکھاتا ہے تو پھر اس کو اس چیز کے تصرّف سے فارغ کر دیا جاتا ہے جس کا وہ متصرّف ہوتا ہے۔

اس کے بعد حدود اللہ کو جاننے والا وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی حد کو اللہ ہی کی تعریف سے دیکھے اور تجسّس کرے مگر خداوند کے راز کو پائے۔ اس لئے کہ بندہ ہرگز ان چیزوں کو نہیں پا سکتا جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے پوشیدہ رکھا ہے۔ بندہ ان کو معلوم نہیں کر سکتا اور جن چیزوں کو اللہ نے ظاہر کر دیا ہے ان کو بندہ پوشیدہ نہیں کر سکتا کیونکہ حق غالب اور بندہ مغلوب ہے۔ آدمی کو مکمل طور پر ہلاکت اختیار کرنی چاہیئے تاکہ وہ حق کے راز کو تلاش کر سکے اور اس کے حکم کا جواب دے سکے۔

پس اسے اس حد کو محفوظ رکھنا چاہیئے تاکہ اس کی ذات میں صحیح طرح طلب آجائے۔ اس کے علاوہ بندے کو حق کے اختیار اور اس کی کیفیت تک رسائی نہیں ہے طلب

کی کیفیت تشبیہ، تعطیل، مثل اور جنس ہے اور حق سبحانہ و تعالیٰ ان صفات سے پاک ہے، پس اے جوانمرد! بندے کی کہاں طاقت اور مجال ہے کہ وہ کہے کہ مجھے وصال میں یا فراق میں رکھ! کشف یا پردے میں رکھ! ان چیزوں کا نہ کہنا ہی اللہ کی حد کو محفوظ رکھنا ہے کیونکہ جلال کے حال کا کشف ان سب کو آدمی سے جلا ڈالتا ہے کہ جلال کی بادشاہی بزرگی ہے۔

جس کسی کو اس بحر میں غرق کیا گیا اس میں اس تصرّف کا اثر باقی نہ رہا۔ وہ حق سے حاضر ہے لیکن اسے اپنی حضوری کا علم نہیں ہے۔ حاضر غائب اس کو کہا جاتا ہے اور مسافر مقیم اس کو کہتے ہیں اور بے طلب اسے ہی کہا جاتا ہے۔ پس ایسا شخص کس طرح کسی دوسرے آدمی کے حال کو پا سکتا ہے اور اس کی تعریف بیان کر سکتا ہے کہ جس کو خود اپنی خبر نہ ہو؟ اور کوئی دوسرا اس سے کس طرح آگاہ ہو سکتا ہے؟ جو حرارت حق کے جلال سے اس کے راز میں ظاہر ہوئی ہے اگر اس سے ایک ذرّہ دوزخ میں رکھا جائے تو وہ فریاد کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے لوگوں کے احوال سے کوئی آگاہ نہیں ہے اور غرق ہونے والے نشانوں سے بے نشان اور مکانوں سے بے مکان ہیں۔ راز اس آدمی کو حاصل ہوتا ہے جو دنیا میں داخل ہو اور دنیا سے باہر چلا جائے لیکن دنیا کے تصرّفات میں سے کوئی چیز بھی اس کے اختیار میں نہ رہی ہو اور اگر اس سے پوچھا جائے تو وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ کیونکہ وہ شخصیت کے لحاظ سے دنیا میں رہا ہے معنی کے لحاظ سے نہیں رہا۔ یہ دنیا اس کے لیے رات کی مانند ہے۔ اگر کوئی رات کے وقت کسی جگہ پر وارد ہوتا ہے اور دن کے وقت اس سے اس کی کیفیت کے بارے میں پوچھا جائے تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ تو حاضر آدمی کو اسی طرح پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی حضوری کا گوہر عزیز ہے۔ یہ ہر متکلّف کو نہیں دیا جاتا۔ یہ حاضری نماز، روزہ، حج اور غزوہ سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ تو اس حاضر کو نماز سے باہر بھی اس طرح

پائے گا اور نماز میں بھی اسی طرح ۔ لیکن نماز میں اس معنی کے جذبہ کی زیادتی ہے جو اسے حق کے مشاہدہ سے دکھایا جاتا ہے، کیونکہ اس معنی کی غذا بینائی ہے اور اس کی بصیرت وہ نور ہے ۔ کیونکہ اس نے جس کو کیا اور بیان کر دیا یہ حاضری نہیں ہے ۔ اس کے راز کی بصیرت اس نور سے نہیں ہے اور اس کی میقات ، میقات نہیں ہے ۔

پس جن لوگوں نے ارادت کے دامن کو دو جہانوں کے تعلقات سے علیحدہ کر لیا ہے، انہوں نے ایسا اسی حضوری اور بصیرت کی روشنائی کے لئے کیا ہے ۔ تمام مخلوقات ایسے حاضر کو غائب نہیں بنا سکتی ۔ اگرچہ وہ مخلوق میں ہے لیکن حق کے ساتھ ہے اور اگرچہ وہ خلقیت میں ہے لیکن پھر بھی حق کے ساتھ ہے ۔

لیکن یہ چیز اس حاضر کو حاصل ہے جسے اللہ نے عینِ جلال میں رکھا ہے یا جس طرح کہ اسے حق نے رکھا ہے وہ ہمیشہ اسی طرح رہتا ہے ۔ کیونکہ اسے حق نے حاضر کیا ہے ۔ خود کا حاضر کیا گیا ہر چیز سے مشغول ہو جاتا ہے اور وہ اس چیز کے بارے میں بچہ ہوتا ہے پس بچہ صرف دعویٰ کرتا ہے لیکن بالغ ہمیشہ معنی کا حامل ہوتا ہے ۔ بچہ ایک حرارت سے جلنے لگتا ہے لیکن بالغ کو بڑی آگ بھی گرم نہیں کر سکتی ۔ بچہ ایک گھونٹ سے مست ہو جاتا ہے اور بالغ کئی شرابوں سے بھی مست نہیں ہوتا ۔ پس بالغ حق کے محرم ہیں کیونکہ اللہ نے ان کو یکتائی کے پردہ میں رکھا ہے ۔ اللہ ہر آدمی کو ان سے آگاہ نہیں کرتا ۔ اگر ہزاروں منظورِ نظر کو ان کے دل کے حضور کی نظر میں لایا جائے اور باہر نکالا جائے تو بھی وہ اس صورت کی بینائی کے محرم نہیں بنتے اور اس چیز کے خیال میں گم نہیں ہوتے ۔ پس اس کو نہ دیکھنا کہا جاتا ہے دیکھنا نہیں کہا جاتا ۔

بچہ باکرہ کنیز کی مانند ہے ۔ اس کا چہرہ ڈھانپ دینا چاہیئے تاکہ ہر آدمی اس کے جمال کو نہ دیکھ سکے اور لوگ اس کو اپنی ارادت کا مرکز نہ بنالیں ۔ جس طرح بھی ممکن ہو لوگ اس کے راز کو دل کے مکان سے باہر لے آتے ہیں اور اس مختصر بکارت کو اس کے

راز سے اُٹھا لیتے ہیں تاکہ جو بھی چاہے اسے مکّارہ خیال کرے ۔

پس اے جوانمرد! اللہ کی حضوری اور اپنی ذات کے ساتھ وابستہ رہنا اچھا نہیں ہے حاضر خود حق کے ذکر پر ہیں، وہ اپنے ذکر پر کس طرح رہ سکتے ہیں ؟ تمام مخلوقات حاضرین کے راز کو فراموش ہو گئی ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ کا راستہ اتنا عالی نہ ہوتا تو ہر مدعی اس کا دعویٰ کرتا ۔ ان کی سیرت سے یہ رمز اس لئے بیان کی گئی ہے تاکہ مدعی دعویٰ سے معنی کی طرف جائے اور وہ معنی کی دید کو اپنی ذات سے اٹھائے کیونکہ حاضر رہنے والے کو اسی طرح سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ غائب رہنے والے کو اس راستے میں حاضر رہنے سے مراد ٹھہرنا ہے اور اس راستے کا ٹھہرنا لاکھوں حجاب ہیں ۔ اگرچہ وہ ایک لحظہ اور ایک قدم ہے لیکن پھر بھی جلالِ حق اپنے اہل کو نہیں چھوڑتا تاکہ وہ اپنی عادت کی منزل میں وارد ہوں یا وہ دو جہانوں میں تقدیر کے ذریعے سے نظر کریں یا کسی کے آگے اللہ کا وصف کریں یا وقت کی حالت کی شرح کریں، کیونکہ آدمی کی یہ حالت بحر کی ولایت میں نہیں ہوتی بلکہ خشکی کی ولایت میں ہوتی ہے ۔ بحر میں غرق ہونے کا خوف ہوتا ہے لہذا وہ ایسی بات کب کر سکتا ہے ؟ غرق ہو جانے والوں کو اس بات سے سروکار نہیں ہے اور خشکی پر رہنے والا آدمی دریا میں ڈوبے ہوئے کو نہیں دیکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی خشکی کی صفت سے بے صفت بن جاتا ہے اور بحر کی صفت میں آراستہ ہو جاتا ہے ۔ تاکہ بحر اپنی بادشاہی کے اظہار کے لیے اس زندہ کو چھین لے اور مرے ہوئے کو واپس کر دے ۔ بحر مردہ کو قبول نہیں کرتا بلکہ صرف زندہ کو قبول کرتا ہے ۔ کیونکہ اس کی طبیعت کو زندہ کے پکڑنے پر ناز ہے پس جس کسی کو اپنے باری تعالیٰ کا دیدار حاصل ہے اور وہ اپنے خیال میں زندہ ہے اور بحر کے نزدیک مردہ ہے ۔ بحر اسے قبول نہیں کرتا ۔ اس کے بعد وہ جوان دونوں کو بے صفت خیال کرے اور اللہ کے دیدار کو باقی سمجھے، بحر زندگی کے حکم سے اس کی وہ دید پکڑ لیتا ہے اور اسے اپنی بادشاہی میں غرق کر دیتا ہے تاکہ وہ اس آنکھ سے مر جائے ۔ اس کے بعد بحر اسے باہر

پھینک دیتا ہے۔

بحرِ جلال کی یہی صفت ہے تاکہ وہ سب کو صفت سے بے صفت بنائے۔ جب وہ بے صفت بن جائے گا تو پھر بے صفتی کی تعریف کس طرح کرے گا؟ یہ اظہار ان غوطہ خوروں سے ہے۔ کیونکہ جس کسی کو اس بات کی واقفیت نہیں ہے اسے اس قرب کا تکرار نہیں کرنا چاہیئے۔

اس بحرِ جلال کی ہر طرح کی رمزوں میں سے ایک رمز بیان کی گئی ہے اور یہ حضوری کی صدف کا حامل ہے۔ اس کے طالب کو بھی حاضر ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس موتی کی طلب میں اپنی جان اور اس کی مصلحتوں سے دُور ہو جائے۔ کیونکہ اس بحر میں حور و قصور کا نشان نہیں ہے۔ اور تمام تقدیر کو اس سے محو کر دیا گیا ہے اور یہ بحرِ جلال ہے۔ اس کی موج نور ہے۔ تاکہ آدمی کی جس چیز پر نظر پڑے۔ یہ نور اس کی آنکھ کو اپنے حکم میں مستغرق کر دے اور تاکہ وہ سب چیزوں سے عاجز ہو جائے۔ جس طرح کہ کہنے والا کہتا ہے؛

در بحرِ جلال حق صدف باشد حور
تا طالبِ دُر ز جانِ خود گردد دور
آنجا نہ نشانِ حور باشد نہ قصور
کان بحرِ جلالت است موجش ہمہ نور

بحرِ سوّم

وحدانیّت

تیسرا بحر وحدانیت ہے اور اس کا گوہر زندگی ہے۔ وحدانیّت یگانگی ہے اور یگانگی درحقیقت اس خدا تعالیٰ کو حاصل ہے جو احد ہے اور احد کو ایک کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ پس احد رکھنے میں لاشریک ہے۔ بخشنے اور رحمت میں بے نظیر ہے، لُطف کرنے میں کریم ہے اور عطا کرنے میں غنی ہے۔ ہر ایک کی حاجات اور حکم سننے سے بے نیاز ہے، ہر ایک کے اسرار جاننے کی وجہ سے علیم ہے اور ہر ایک کی حاجت کو جاننے اور حکم کرنے کی وجہ سے عالم ہے۔ اس معنیٰ کی خود تعریف کرنے کی وجہ سے معروف ہے۔ دوستوں کو اپنی ارادت کی دعوت کی طرف بلانے، ہر آدمی کے ساتھ بھلائی کرنے، ہر ایک کے سر پر اپنی بھلائی اور احسان ظاہر کرنے اور ہر ایک کی ولایتِ دل کو اپنے قرب کے نور سے سجانے کی وجہ سے محبوب ہے۔ پس یہ جو کچھ بھی خدا اپنے بندوں پر کرتا ہے وہ وحدانیت کی صفت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

لیکن موحد اپنے مرتبہ کے ساتھ احد کے مشاہدہ کی نمائش اور گردش کے ذریعے تنہا بن جاتا ہے اور انیّت اقراری جو اس میں پیدا ہو جاتی ہے وہ اس مشاہدہ کے کشف کی بادشاہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

لیکن اللہ نے موحد کو عزت کے مرتبہ میں کھڑا کیا۔ اسے زندگی کا لباس دیا۔ اس کی

غذا ہمیشہ حبیب ہے تاکہ وہ ہمیشہ دوست کی خلعت کے ساتھ رہے اور مخلوقات کی کسی دوستی کے قریب نہ جائے۔ اس خلعت کے اظہار کے لئے دوست رہے اور تمام احوال میں اپنی دید کی غذا کھائے اور بے نیازی کا اظہار کرے کیونکہ جو سیر ہوتے ہیں وہ ہر چیز کی طرف نگاہ نہیں کرتے اور جنہوں نے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں وہ ہر لباس کی آرزو نہیں رکھتے۔ پس موحد کو عزیز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس حالت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اسے انکار نہیں ہوتا اور اس کی کوئی مثال نہیں ہوتی کیونکہ بحر احدیت اس کا محافظ ہوتا ہے۔

لیکن وحدانیت کا اثر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی یاد بندے کو اس سفر کی طلب میں لاتی ہے۔ تاکہ وہ خود میں اس بحر اور خشکی کی صدف کی حقیقت کو تلاش کرے کیونکہ بحر وحدانیت بہت بڑا بحر ہے۔ ہر آدمی اس کی قربت نہیں پا سکتا اور صدف کی طلب میں نہیں چل سکتا کیونکہ اس کی صدف حیرت ہے۔ آدمی کی حیرت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کو ترک کر دے۔ پس اپنے سوا کسی چیز کو طلب کرنا ایک عجیب کام ہے۔

لیکن اس معنی میں ایک روشن اشارہ ہے اور ایک ظاہر بیان ہے اس لئے کہ جو کچھ طلب سے ہوتا ہے۔ طالب کی طلب اس چیز کی قیمت بن جاتی ہے اور جب وہ اسے پا لیتا ہے تو اس چیز کا مالک بن جاتا ہے۔ پس یہ صفت بندے کی مجازی اور خداوند کی حقیقی ہے کیونکہ علت وحدانیت کا پانا نہیں ہے لیکن ارادت کی وحدانیت جو بندے کو اس طلب کی طرف لاتی ہے، جائز ہے تاکہ وہ اپنے راستے کا طالب بن جائے اور عالم بشر سے اس معنی کو طلب کرے جو اس میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے دل کی حد اور حدود میں اس قدر ہجرت کرے کہ اللہ کی تلاش کو پہنچ جائے۔ عاجزی کرے تاکہ اپنی طاقت سے معذور ہو جائے۔ اس طلب سے بے طلب بن جائے تاکہ خشکی کے راستے سے باہر آ جائے۔ اس وقت اسے زاری کرنی چاہیئے کہ ——— اے مالک!

میرا جانا، ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف اور ثریا سے تحت الثریٰ تک جانا ہے اور کوئی ایسا مکان نہیں ہے جو تیری نظر سے پوشیدہ ہو۔ میری اُمید کا نکتہ اس جان کی بھلائی کے لئے کوتاہ کرتا کہ میں اس بحر کا مسافر بن سکوں اور غوطہ خوری کو جان کے عوض خرید سکوں اور اس صدف تک پہنچ سکوں"۔

اس کے بعد حق کی عنایت اس کے لئے کشتی بن جاتی ہے اور حق کا لُطف اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ یہ کشتی اس کی شخصیت کو اُٹھانے والی نہیں بلکہ اس کی ہمّت کو اُٹھانے والی ہے تاکہ اس وقت اس کو تمام مخلوقات سے باہر لائے اور یہ مخلوق اس کے علم کی دید ہے، تاکہ اس وقت یہ کشتی بن جائے۔ اس بحر سے مراد یہ ہے کہ خدا کی یگانگی اس پر کشف ہو اور نظر کی معلومات سے کوئی چیز اس پر باقی نہ رہے۔

لیکن اس کشف میں خود کو ہلاک کرنا واجب ہے تاکہ وہ دل اور اس کے مقامات سے دور ہو جائے اور اس کی پاکیزگی خشکی سے بے تصرف رہے اور روح ہمت، انابت اور اجابت سے خالی اور بے خبر رہے تاکہ وہ اس معنیٰ کو ان چیزوں کی نفی کے ذریعے یگانہ بنائے جس طرح کہ ایک بزرگ کو بادشاہ کے حرم میں بلایا جاتا ہے لیکن اس کے چاکر دروازے پر رُک جاتے ہیں۔ یگانہ ویسا ہی بنتا ہے۔

راز جب صدف سے دُور ہو جاتا ہے اور ہمت تصرّف سے معزول ہو جاتی ہے اور دل اس کے بیان سے مقہور ہو جاتا ہے تو آدمی اس یگانگی کے حکم میں تنہائی کی حد سے ندائے حق سنتا ہے کہ ـ "یگانہ رہ! اپنے بادشاہ کے لئے ـــــ کہ میرا کوئی شریک نہیں ہے اور میں وہی ہوں جس نے تجھے روزِ میثاق کہا تھا کہ "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" اور میں نے تجھے ہدایت بخشی تب تو نے مجھے "بلیٰ" جواب دیا۔ میری خلعت تجھے حاصل ہے میری محبت کا کمال تیرا مشاہدہ ہے۔ میری عنایت تیرا اسماع ہے۔ میری صدا تیرا منشور ہے۔ میرا اذن تیری طلایت ہے۔ میری معرفت تیرا بوستان ہے۔ میری انس تیری طاعت ہے۔ میرا ذکر تیرا

شراب ہے۔میرا وصال تیرا راستہ ہے۔ میرا قرب تیرا مشاہدہ ہے۔ کیونکہ میں نے تجھے عزیز بنایا اور جو کچھ میری درگاہ سے تجھے دکھایا گیا وہ میری وحدانیت کے آثار سے تھا۔ میرے حکم میں رہ! اور اگر تجھے میرے مشاہدہ کا قرب چاہیئے تو ان بے ہودہ چیزوں سے گریز کر۔ کیونکہ تو میری درگاہ میں ان سے جدا ہو کر تنہا آیا ہے کہ میں تیرا خداوند ہوں۔"

"فَفِرُّوْآ اِلَی اللّٰہِ" (ترجمہ: پس تم اللہ ہی کی طرف دوڑو۔ الذٰریٰت آیت ۵۰) کا راز یہ ہے کہ وہ معنی دل، سِرّ اور ہمت سے اپنے خداوند کی طرف دوڑے، لیکن جب تک حق کا اذن نہ ہو اور معروف شرح نہ ہو وہ کس طرح اس کا اٹھانے والا ہو سکتا ہے؟ نہ ہمت کو ان اسرار کی خبر تھی نہ راز کو اور نہ دل کو ـــــ اگرچہ اس معنی کو یہ سنایا جاتا ہے۔ اگر اسے ہمت کو دیا جاتا تو وہ ہلاک ہو جاتی اور اگر سِر اس کو جان لیتا تو وہ حسرت سے جل جاتا اور اگر دل اس کو سمجھتا تو وہ پھٹ جاتا۔

لیکن اس خلعت کے آثار ہر ایک پر ظاہر ہوتے ہیں تاکہ وہ سمجھ لیں کہ ان کے سردار پر بادشاہ کی طرف سے اکرام ہُوا ہے۔ جو کچھ مخلوقات کے عجائب میں پوشیدہ ہے جو ہمّت کو دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ متابعت کی خاطر مجرم بن جائے۔ سِرّ کو صفات کے تمام عجائب، اور اس کے راز، اور ہر پردے کا کشوف اور ہر پوشیدہ کا ظاہر دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ موافقت کی خاطر مجرد بن جائے اور دل کو ہر مقام کے حاکم اور ہر فعل کے دیکھنے کا راز دکھایا جاتا ہے تاکہ وہ احکامِ الٰہی کی خاطر مجرد بن جائے۔

اس وقت موحد کی یگانگی دُرست ہو جاتی ہے اور وہ بحرِ وحدانیّت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ اس کے بہرہ ور ہونے سے مُراد اس کا خود سے دُور ہونا ہے۔ جب اس کا حال بحرِ وحدانیت کے ذریعے اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ ارادت، صدق، محبّت، شوق، انابت، اجابت، اقامت، اُنس، وصال، فنا اور بقا کی کثرت نہیں دیکھتا۔ اس وقت وہ دریائے وحدانیّت کی صدف ہاتھ میں لیتا ہے اور متحیّر بن جاتا ہے تاکہ غرق

ہونے والوں کا بیان نہ کرے۔

پس اے جوانمرد! جو آدمی اس دریا میں غرق ہو گئے ہیں وہ اپنے غرق ہونے کا قصہ بیان کرنے سے قاصر ہیں اور دوسرے لوگ ان کی کیفیت کے تصرّف سے عاجز ہیں۔ جب مرنے والا اپنی کوئی بات نہیں بتا سکتا تو پھر کوئی دوسرا آدمی اس کی کیفیت کیسے بیان کرسکتا ہے؟ اس معنی کی وجہ سے موحد کسی چیز کی طرف نہ دیکھتے ہیں اور نہ اس کے قریب جاتے ہیں۔

اس دریا میں ایک سورج ہے جو جس چیز پر بھی غالب آتا ہے اس کو اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک اس کو سارے کا سارا جلا نہیں ڈالتا۔ یہ سورج قربت اور دوستی ہے جو محبّ کو محبت میں جلاتا ہے اور پہاڑ کو آدمی کی مصیبتوں کی ڈھال بناتا ہے تاکہ وہ مصیبت کو نہ دیکھ سکے۔ جس طرح آدمی تمام دوستی کو ایک نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح وہ اس سارے پہاڑ کو نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس دوستی کے سورج کو اپنے دوست پر اس قدر چمکاتا ہے کہ اس کی تمام دنیاوی محبتوں کی گرہ ٹوٹ جاتی ہے۔

اس کے بعد اللہ اسے اس کی نیاز کے حرم میں داخل کرتا ہے اور اس پر بہت زیادہ لطف کرتا ہے۔ پھر تنہائی کا داغ اس کے دل کے چہرے پر لگاتا ہے۔ اسے دوستی کی شرطیں سکھاتا ہے اور اس کے ساتھ بے اختیاری کی حدود اسے دکھاتا ہے۔ اسے بے مرادی کا لباس پہناتا ہے اور اسے اس کی بے قراری کا شراب چکھاتا ہے۔ اس کے صدق کا جوتا اس کے پاؤں میں پہناتا ہے اور اسے اس کی " واطی " کے میدان میں دوڑاتا ہے۔

پھر اس کے رد کی دعوتِ عام کی منادی کی جاتی ہے تاکہ اس کی مرادات میں سے کوئی چیز اس کی گاہک نہ بنے۔ لوگ اس سے یوں علیحدہ ہو جاتے ہیں کہ کوئی آدمی

اس کی پیروی کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس لئے کہ آدمی اس پر تنہائی کا داغ دیکھتے ہیں۔ کوئی آدمی اس کی طرف دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ یہ اس کی محبّت پر حق کی بھلائی ہے کہ اس نے اس سے ہر ایک کی مدد کو چھین لیا ہے۔

لیکن محب کو اس داغ کی خبر نہیں ہوتی۔ اگر اسے اس کی خبر ہوتی تو وہ آنکھ کو اپنی طرف کھولتا ہے کہ میں نے اس کو دوست رکھا ہے اور مدعی بن جاتا۔ جب وہ اسے نہیں دیکھتا تو خود کو سب سے بے نیاز خیال کرتا ہے، وہ جان لیتا ہے کہ اس نے مجھے دوست رکھا اور اس نے ہر چیز کی نظر کو میرے دل سے اُٹھالیا۔ اس وقت موحد بےنصیب محب ہوتا ہے اور وہ دوستی کے کوچہ میں یگانہ ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو دوستی میں یگانہ ہوتے ہیں اسی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ وہ سب کچھ دوست سے دیکھتے ہیں اور خود سے کوئی چیز نہیں دیکھتے۔

اس درگاہ میں شکستہ اور بے نیاز اس کو کہتے ہیں جس کے دل میں کسی چیز کا قیام نہ رہا ہو، جس کی ہمت نابینا اور جس کا راز بہرہ اور دل گونگا ہوتا ہے۔ "صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" (ترجمہ دیہ، لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، سو کچھ بھی نہیں سمجھتے سورۃ البقرہ، آیت ۱۷۱) اسی قسم کے محب کے حق میں ہے۔ اس محبّ کو مذّل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دوست کے لئے ذلیل ہوتا ہے، دوست کے سوا ذلیل نہیں ہوتا۔ محبّ کو دوستی میں ذلت ہے۔

وہ ذلیل ہوکر آتا ہے لیکن اللہ اسے عزیز بنا کر واپس کرتا ہے۔ وہ فقیر بن کر آتا ہے لیکن اللہ اسے غنی بنا کر واپس کرتا ہے۔ اس لئے کہ محبّ کی عزت دوست کے قرب سے ہے نہ کہ دنیا اور آخرت سے —— اور اس کی تونگری دوست کے دیدار سے ہے۔ پس دنیا اور آخرت ان سے عزیز بنی ہے اور وہ دوست سے، کیونکہ دوست نے ان پر لطف کیا ہے ورنہ کون ہے جو دوستی میں قرار پا سکے؟ کیونکہ دوستی کی بہت بڑی

شرطیں ہیں جن کو پورا کرنا چاہیئے اور دل وجان کو فدا کرنا چاہیے۔

جو چیز اس دوست کی بہتری ہے وہ یہ ہے کہ اگر تُو دیکھے تو وہ خود دوست کی ملکیّت ہے۔ محبّ کو خود بھی اس سے آگاہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ دل و جان کو قربان کر سکے۔ جب اسے اپنی مفلسی کا احساس ہو جاتا ہے تو پھر اس کے پاس حیا کے سوا کون سی ایسی چیز ہوتی ہے جس کو اس درگاہ میں لے جائے؟ اس کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی۔ اس کو حیرت اس حیا کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس حیرانی میں حق اس پر عنایت کرتا ہے اور اس کا ہاتھ تھامتا ہے کہ ــــــ" جو کچھ تو لایا ہے، میں اس سے بے نیاز ہوں۔ تو خود میری ملکیّت ہے اور تُو جو کچھ لایا ہے وہ بھی میری ملکیّت ہے۔ تیرے لئے یہی ہے کہ تو میری نمود سے میری وحدانیّت کی طرف نظر کر ــــــ پھر تُو جان لے گا کہ میں نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے۔ اس آنکھ کو ہمارے حضور کا دفتر بنا تاکہ تُو شکر کے مرتبہ میں استقامت پا سکے ــــــ اور تاکہ میں تجھ پر نعمت کی زیادتی کر دں۔ تیرے لئے نعمت کی زیادتی یہ ہے کہ میں دُنیا میں تجھے تیرا مشاہدہ دکھاؤں۔ جس طرح کہ میں چاہوں اور تیری خلقیّت کو چھین لوں کیونکہ میں اس پر قادر ہوں اور آخرت میں تجھے اپنا دیدار کراؤں جس طرح کہ چاہوں اور تمام چیزیں تجھ سے چھین لوں کیونکہ میں اس قسم کی بھلائی کرنے کے زیادہ لائق ہوں۔ تیری نعمت میں میرا یہی اضافہ ہے۔ پس وہ لوگ جنہوں نے اس نعمت کو پہچان لیا اور پھر وہ عالم خلق کی طرف متوجہ ہو گئے، یہ ان کا کفرانِ نعمت ہے۔ یہاں تک کہ میں ان سے اپنا مشاہدہ چھپا لیتا ہوں۔ کیونکہ وہ عارف ہیں اور انہیں معرفت کی خبر نہیں۔ کل وہ میرا دیدار کریں گے لیکن وہ اس سے آگاہ نہیں ہیں"۔ پس محبّوں کی پریشانی اور دو جہانوں سے روگردانی اسی معنی کے لئے ہے۔ موحدوں کے راز پر وحدانیّت کی یہی تاثیر ہوتی ہے۔

پس اے جوانمرد! ایک یہ کر تو اپنی ہمت میں اس مقصد کو طلب کر۔ کیونکہ جس کسی کو یہ معنوی زندگی حاصل نہیں ہے اس کی زندگی چوپایوں کی سی ہے۔ جو گھاس کھانے سے زندہ رہتے ہیں اور نہ کھانے سے مرجاتے ہیں پس اللہ کریم نے ان دو جہانوں کو تیری چراگاہ بنایا ہے جب تو اس سے کھاتا ہے تو اس کو زندگی سمجھتا ہے لیکن اس طرح تیری مردانِ حق کی سی معنوی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

پس تو خود دو جہانوں میں حقیقی ناخوش ہے تو مردانِ حق کی قربت کے سوا کہیں راحت نہیں پائے گا کیونکہ ان کو بحرِ وحدانیت میں غرق کر دیا گیا ہے اور عادت کی بقا کو ان سے چھین لیا گیا۔ حق نے ان کو اپنی محبت کے دجور میں بقا بخشی ہے کیونکہ وہ ایک لمحہ بھی اس کی دوستی سے دور نہیں رہتے اور وہ اس کی دوستی کے شربت کے سوا کوئی مشروب نہیں پیتے۔ اس بحر میں ایک ایسا راستہ ہے جو آدمی کو اپنی جان قربان کرنے کے سوا ہرگز نہیں ملتا کیونکہ دوستی کے راستے میں محبت کی خیانت یہ ہے کہ خود پر تکیہ کیا جائے۔

اس بحر کی گہرائی یہ ہے کہ یہ وحدانیت کا اظہار ہے۔ یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر مقتدین چلے ہیں۔ وہ لوگ جن کا دل تنہا ہو گیا تھا۔ اس بحر کو حق نے ہر محب کے راز پر بادشاہی بخشی ہے تاکہ ان کو مستغرق کر سکے۔ پس زندگی کی راحت یہ ہے کہ وہ اس استغراق میں زندگی پائیں، جس طرح کہنے والا کہتا ہے:

بحری کہ درد ہمہ بہ ترک جان است
ژرفیش معظم است کہ او وحدان است
این راہِ مقتدان دل فردان است
کین بھرۂ سرشان بحق سلطان است

بحرِ چہارم

ربُوبّیت

چوتھا بحر ربوبیّت ہے اور اس کا گوہر لقا ہے۔ یہ بحرِ ربوبیّت جس کی گہرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے، خدائی کا اظہار ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندے کے دل کو آثارِ ربُوبیّت سے آراستہ کرتا ہے۔ بندگی کا راز اس پر کشف کرتا ہے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اس کلمے میں جو حق تعالیٰ نے کہا ہے کہ "یَا عِبَادِی" (سورۃ العنکبوت، آیت ۵۶ اور سورۃ الزمر، آیت ۵۳) اس کا مطلب کیا ہے۔ یہ ایک بڑا مقام ہے کہ بے نیاز خداوند نیازمند بندے کو صدا کرے کہ ــــــ "میرے بندے" اس سے زیادہ بڑی عزّت بندے کی نہیں ہو سکتی۔

اس بحر کی صدف خود عزّت ہے اور اس صدف میں وہ موتی پوشیدہ ہے۔ لیکن بندے کو بندگی کا راز پانا چاہیئے۔ بندہ اس وقت تک ربوبیّت کے راز کو صحیح طور پر نہیں پا سکتا جب تک حق اس کی شرح نہ کرے۔ حق معلوم کراتا ہے تو بندہ دیکھتا ہے اور جب وہ پوشیدہ کرے تو بندہ کس طرح دیکھ سکتا ہے؟

لیکن جاننا چاہیئے کہ خدائی خدا کا اظہار ہے جو تھا اور رہے گا۔ اگرچہ مخلوقات نہ تھی لیکن پھر بھی تھی اور پھر اگر نہ ہو تو تب بھی ہو گی۔ بندے کی صفت میں یہ تبدیلی اور تغیّر جائز ہے کہ اسے عدم سے وجود میں لایا گیا اور وجود سے عدم میں لے جایا گیا اور اس کو اس عدم

سے نیز وجود میں لایا جائے گا۔ پس یہ چیز اظہارِ خدائی کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ اپنے بندے کو ہمیشہ اس صفت سے موصوف رکھتا ہے۔

لیکن خدائی کا اظہار بندے کے باطن سے ہے جو وہ اپنے احوال کی گردش میں دیکھتا ہے جو اس کے عدمِ دل کی وجہ سے وجود میں آتے ہیں۔ عدمِ دل یہ ہے کہ وہ اپنے مقامات میں دیکھنے والا ہے۔ جب اس سے وجود میں آتا ہے تو اس کے راز کو صاف بنا ڈالتا ہے تاکہ وہ چمک کا دیکھنے والا بن جائے اور اس کو اس چیز کا یقین ہو جائے جو اس پر پوشیدہ ہے۔

یہ دید بھی اس کے لئے عدم ہے۔ اس عدم سے بھی اس کو وجود میں لایا جاتا ہے تاکہ اس پر تجلّی غالب ہو جائے۔ اللہ اس کو مکمل طور پر اپنے حکم میں مستغرق کرتا ہے تاکہ اس کے پاس کوئی تمیز اور تصرّف نہ رہ جائے۔ اس کو اپنے حکم میں اس طرح رکھتا ہے کہ وہ جس عدم وجود سے گزرا ہوتا ہے اس کو بھول جاتا ہے۔ وہ خود کو نہ اہلِ دل سمجھتا ہے اور نہ اہلِ سِر۔ نہ خود کو ایک حاضر خیال کرتا ہے اور نہ ایک غائب۔ اور نہ ہی خود کو محب تصور کرتا ہے اور نہ دشمن۔ اور نہ خود کو خائف سمجھتا ہے اور نہ اُمیدوار۔ نہ خود کو صابر خیال کرتا ہے اور نہ راضی۔ نہ خود کو شاکر تصور کرتا ہے اور نہ کافر۔ نہ وہ قرب کو سمجھتا ہے نہ دُوری کو۔ نہ اُنس کو جانتا ہے اور نہ وحشت کو۔ نہ توحید کو جانتا ہے نہ شرک کو۔ نہ معرفت کو جانتا ہے اور نہ ناآشنائی کو۔ نہ وصال کو سمجھتا ہے نہ جدائی کو۔ اس سے یہ چیزیں تجلّی سلب کر لیتی ہے، لیکن اس کو ابھی تک اللہ نے بینائی عطا نہیں کی ہوتی کیونکہ تصرّفات اس سے چھین لیے جاتے ہیں اور وہ اس دنیا سے نابینا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ بندے کا جہل اس مرتبہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ بے خودی اور بے خبری اس مقام میں ہوتی ہے۔ اس وقت کہتے ہیں کہ محبت دل کو دے بیٹھا ہے۔

یہ بات ہے جو اس کی حیرت اس مقام میں ظاہر ہوتی ہے۔ بندگی کے کوچہ میں حیرت

یہی ہے۔ اس کو بے خودی کہتے ہیں اور اس کو نیاز کا مبتلا کہتے ہیں اور اس کو ہمت کی ہجرت کہتے ہیں اور اس کو ارادے کا صدق کہتے ہیں۔ اس کو وقت کا راستہ کہتے ہیں اور اس کو حال کا میدان کہتے ہیں۔ اس کو ارادت کا خلاصہ کہتے ہیں اور اس کو طاعت کا حسن کہتے ہیں۔ اس کو اخلاص کا راز کہتے ہیں اور اس کو تنہائی کا راستہ کہتے ہیں۔ اس کو تسلیم کا گوہر کہتے ہیں اور اس کو سپردگی کہتے ہیں اور اس کی اس طرح کی بہت سی قسمیں ہیں۔

جیسا کہ اُوپر بتایا گیا ہے جو کوئی تخلیق کے حکم میں نہیں رہتا ہے اس کے حال کی درستی یہی ہے۔ وہ اس وقت مہذّب بن جاتا ہے اور جو تجربہ طاقت کو ہوتا ہے وہ سفر میں ہے۔ اگر کوئی آدمی ہزار بار مشرق سے مغرب تک کا سفر کرے تو بھی اسے یہ تجربہ حاصل نہیں ہوتا۔ جس کسی کو یہ تجربہ حاصل نہ ہوا ہو وہ راستے کا مرد نہیں ہے۔ اس کی پیروی کرنی گمراہ ہونے کے مترادف ہے۔ اس کا راستہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اس طرح کے ہر راستہ کو احوال کی گردش میں دیکھا ہوتا ہے۔ تاکہ اگر وہ کئی ہزار راستے دیکھے تو بھی سمجھ لے کہ ہر آدمی کون سے راستے پر ہے۔

یہ چیز علم کے راستے سے نہیں بلکہ زندگی کے راستے سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ لیکن اس راستے کے اہل جنہیں یہ تجربہ حاصل ہو، کم پائے جاتے ہیں اور تو اس علم کے طالب بھی کم ہی پائے گا۔ یہ علم آدابِ گردش ہے۔ یہ اصل ہے اور وہ فرع ہے۔ علمِ فرع کے طالب زیادہ ہیں اور علمِ اصل کے طالب کم ہیں۔

پس یہ گوہرِ حقیقت بڑا عزیز ہے اور اس کو بحرالحقیقۃ اسی لئے کہتے ہیں تاکہ وہ اس کے عجائب کو باطن سے دیکھے، ظاہر سے نہ دیکھے، کیونکہ خدائی کا اظہار دلائل کی صورت میں نہیں دیکھا جاتا۔

پس جس کسی نے اپنی عبادت کو ظاہری طور پر دیکھا اس نے قیام، تکبیر، رکوع اور سجود کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں دیکھی۔ جن کی نگاہ حقیقت پر پڑی انہوں نے تکبیر کے

راز کو دونوں جہان کا ترک کرنا پایا اور قیام کا راز ہمیشہ حضور میں رہنا پایا اور رکوع کا راز حکم کا قبول کرنا اور دوستی کے بوجھ کو اُٹھانا ہے اور سجود کا راز اپنے خداوند کو بزرگ دیکھنا پایا۔ انہوں نے اس کی بندگی میں خود کو ہمیشہ مستحق بندگی پایا۔ "یا عِبَادِی" کا خطاب ان بندوں کے حق میں درست ہے جو ایسی سیرت سے آراستہ ہو گئے اور انہوں نے اس کلمے کو سنا کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خبر دی کہ میں نے آدمی اور انسان کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ انہوں نے اس کے راز کو حق کی معرفت سے دیکھا کہ یہ بندگی ہمیشہ قائم رہنا چاہتی ہے۔

لیکن اس معنی کی پیروی میں، جو روزِ میثاق حق نے ہم میں شامل کیا تھا اور ہمارا پیشرو تھا اور جس نے حق کو "بلیٰ" کا جواب دیا تھا، اس کا وہ "بلیٰ" کہنا اصل میں اس امانت کو قبول کرنا تھا جس کو اللہ نے پہاڑوں اور آسمانوں پر ظاہر کیا تو وہ اس کو برداشت نہ کر سکے۔

اس معنی نے اس امانت کو قبول کیا۔ لیکن اس کو اپنی قوت سے قبول نہیں کیا بلکہ اس نے ربوبیت کے لطف سے پرورش پائی تھی اور اس کے مشاہدہ کا اظہار دیکھا تھا لہٰذا اس نے اسے اس قوت کے ذریعے قبول کیا ہے جس طرح کہ بادشاہ اپنے خاص کو ایک خلعت اور ولایت دیتے ہیں پھر جو حکم بھی اسے کرتے ہیں وہ اس کو بجا لاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس نے اس کی عطا حاصل کی ہے اور وہ جو حکم کرتا ہے وہ بھی اس کی قوت سے بجا لایا جا سکتا ہے۔ اس معنی نے اس امانت کو اسی وجہ سے قبول کیا تھا اور آسمان، زمین اور پہاڑ نے انکار کیا تھا۔ انہوں نے انکار کیا اور اپنی عاجزی کا اقرار کیا۔ یہاں تک کہ جن لوگوں نے اس امانت کو قبول کیا وہ اس پہاڑ کی میخ بن گئے۔

لیکن آسمان، زمین اور پہاڑ کے قبول نہ کرنے میں ایک اشارہ ہے۔ کیونکہ زمین تیرے پاؤں کا فرش ہے۔ تیری بشریت زمین کے مقام سے ہے لہٰذا اس نے یہ امانت

قبول نہ کی ۔اور پہاڑ تیری مرادات کے رتبہ پر ہے، لہذا تو نے اس امانت کو اپنی مراد سے بھی قبول نہیں کیا اور آسمان تیری نظر کے مرتبہ پر ہے، لہذا تو نے اس امانت کو اس نظر سے بھی قبول نہیں کیا ۔ یہ انکار کرنے والے اس وجہ سے ہوئے کہ ان سب کو خود سے ایک اُلفت اور محبت ہے ۔ یہ امانت رکھنے کے لئے تجھ میں بے خودی ہونی چاہیئے، اس معنی کی پیروی میں جس نے روزِ میثاق اس امانت کو قبول کیا تھا پس ظلم اور جہل تیری توُئی کے حق میں ہے۔ کیوں کہ توُ نے یہ اپنی قوت کے بغیر قبول کیا ۔ اگر تو اس کی پیروی سے باہر رہے تو ظالم ہوگا اور اگر تو اس معنی کو نہ پائے تو جاہل ہوگا ۔

اب بندگی اس امانت کی محافظ ہے تاکہ تو ایک لحظہ بھی اس کی پیروی سے دور نہ رہے، اس امانت کے حق کو ادا کرے اور اپنے دل کے راز سے اقامت کرے کیونکہ "یا عبادی" کی صحیح پرستش کا راز یہ ہے کہ حق نے "یَا عِبَادِی" کو خود سے نسبت دی ہے اور کہا ہے کہ "میرے بندے" اس کی آزادی سے ایسا ہے کہ وہ کسی چیز کی غلامی میں نہیں ہے اور وہ ان چیزوں کا غلام نہیں ہے جو ظالم اور جاہل ہو چکی ہیں ۔

پس اس کی نظر میں اس طرح کی با اخلاص بندگی میں مکمل اعزاز ہے ۔ یہ سب اس لئے ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ راز کی آنکھ کو کھولتا ہے اور اپنی نمائش کو اس آنکھ کی بینائی سے بناتا ہے تاکہ وہ اس معنی کو دیکھنے والی بن سکے ۔تاکہ ایمان دینے کی ہدایت حق سے ہو اور وہ آنکھ ایمان کی اس خلعت کو قبول کرے۔ اس وقت اس کے ایمان کو قرب کے میدان، کشوف مشاہدہ اور اظہارِ ربوبیت میں صدق سے جلوہ حاصل ہوتا ہے اور بندہ اس خلعت سے آراستہ ہو جاتا ہے ۔

اس کے بعد اللہ اس علم سے ایک سفر عطا کرتا ہے تاکہ وہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے کلمہ کو قبول کرے ۔ وہ گواہی اس آنکھ سے دیتا ہے جس سے اس نے اللہ کو دیکھا ہے خود اس کی اصل اصولِ شریعت کی ان شرطوں یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور غسلِ جنابت

میں ہے ۔

لیکن ہر ایک کا ایک راز ہے ۔ آدمی کو پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ کامل حضوری کے ساتھ ہمیشہ ان پانچ وقتوں میں اس معنی کی تحریم میں کھڑا ہو کہ اس نے امانت کو قبول کیا ہے ۔ اس کے پانچ اوقات اور ہر حضوری کو دل جو اس میقات میں پائی ہے اس میقات سے موافقت کرنی چاہئے ۔ اس کے بعد اسے اس کے حکم میں رہنا چاہیئے ۔ تاکہ وہ بارِ عبودیت کے بوجھ کو استعمال کر سکے ۔

لیکن اس میقات میں اس کی مناجات ہے ۔ اس کی مناجات کا راز یہ ہے کہ جو بھی اس کی خواہش ہے وہ ختم ہو جائے ۔ لیکن مرد اس میقات میں شخصیت سے نہیں جا سکتا ۔ اس میں اس کی نظر جا سکتی ہے تاکہ وہ دل کو محبت کی ذات میں پگھلائے اور آدمی دونوں جہان کے قرب کو ترک کر دے اور ہمت کی آنکھ کو تمام مخلوقات سے ہٹا دے اس کے بعد دونوں کو نہ دیکھنے سے ایک ہجرت کرے تاکہ اس میقات میں راز کے وعدے کی جگہ کو پائے اور اس معنی کے راز سے واقف بن جائے جو حق سے مناجات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے اللہ ۔ اس دنیا میں تو نے ہم کو سفر بخشا ۔ تیرا قرب ہمارا مونس بن گیا ورنہ ہمیں اس دنیا میں کبھی قرار نہ ملتا کیونکہ تو نے ہمیں اپنے مشاہدہ پر انس بخشی ہے ۔ ہم تیری انس کے ہوتے ہوئے مخلوق کے ساتھ کس طرح محبت کریں اور اپنے دل اور راز کی ہمت سے کس طرح واپس آئیں ۔ اس معنی کی مناجات یہی ہے ۔

اس کے بعد حق کی اجابت اس کے لئے یہ ہے کہ اسے ندا آتی ہے کہ : یہ مقامات تیرے لئے ہیں اور میرے مشاہدہ کا اظہار تیرے لئے ہے اور میرا وصال تیرے لئے ہے اور میری کرامت ، لطافت اور عنایت تیرے لئے ہے ۔ تیرا آرام میرے ساتھ ہے ، میرے بغیر کسی کے ساتھ نہیں ہے ۔ مانگ جو کچھ تجھے مجھ سے درکار ہے کیونکہ اس دنیا میں میرے مشاہدہ کے سوا اور عالمِ بقا میں میرے دیدار کے سوا تیرے لئے کوئی نعمت نہیں ہے اور

جس طرح میں اس مقام میں مشاہدہ کے ذریعے تیرے پاس پہنچا ہوں اسی طرح اس مقام میں اپنے دیدار کے ذریعے تیرے پاس پہنچوں گا۔ کیونکہ حیّ و قیوم میں ہوں اور رحیم اور کریم میں ہوں اور حکیم اور علیم میں ہوں۔ میں خود سے عزیز ہوں۔ میں نے تجھے اس عزت کے ذریعے عزیز کر دیا ہے۔"

پس اے جوانمرد، جس کسی کے باطن کو نماز میں مناجات یہ سرور دے، اس سے زیادہ محترم اور عزیز کون ہو سکتا ہے؟ کس طرح اس طرح اس کی زندگی خوش نہ ہو اور کس طرح وہ نماز پڑھنے میں نشاط نہ پائے؟ کیونکہ اس پر ایسے انعام کئے جاتے ہیں۔ نماز کی حقیقت یہی ہے اور ان لوگوں کی شریعت یہی ہے۔

اب ایک سال میں ایک ماہ روزے رکھنے کا حکم فرمایا گیا ہے اور اس سال کو تین سو ساٹھ دنوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ لیکن خالصانِ حق کے دن اور سال حق کا مشاہدہ ہے اور یہ بارہ مہینوں میں تقسیم ہے۔ ان میں سے ایک ماہ کو منتخب کیا گیا ہے اور اس کو ماہِ رمضان بنایا گیا ہے تاکہ بندگانِ حق اس میں کھانے اور پینے سے پرہیز کریں۔ تیرے اندر ایک ماہ رکھا گیا ہے جسے ماہِ محبّت کہتے ہیں اور یہ دوستی کے سورج کا اقبال ہے۔ ایک دوسرا ماہِ شرف رکھا گیا ہے جو نیازمندی کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ ارادت رکھا گیا ہے اور یہ اشتغال کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ صدق رکھا گیا ہے جو راستی کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ وقت رکھا گیا ہے اور یہ فرمانبرداری کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ رضا رکھا گیا ہے جو حقیقت کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ وجد رکھا گیا ہے اور یہ بے خودی کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ وقت رکھا گیا ہے جو رہائشِ حقّ کے سورج کا اقبال ہے۔ ماہِ اُنس رکھا گیا ہے اور یہ دوستی کی سعادت کے سورج کا اقبال ہے۔ ایک اور ماہِ حدیث رکھا گیا ہے جو قبولِ حقّ کے سورج کا اقبال ہے۔

ان گیارہ مہینوں کو گذارنا چاہیئے تاکہ پھر ماہِ صیام کو پایا جا سکے اور ماہِ صیام مشاہدۂ

دوست کے سورج کا اقبال ہے۔ اس میں کھانے اور پینے سے پرہیز کرنا چاہیئے جو کوئی اخلاص کے ساتھ ذکر کرتا ہے اس کا کھانا اور پینا یہ ہے کہ وہ اپنے باطن میں چمکنے والی ہر کرن اور نور سے بقا پائے کیونکہ اس کا باطن اس سے مکشوف ہوتا ہے اور اس کے بوستان میں نظر آتا ہے۔ یہ دیدار اس کے لئے شراب کا درجہ رکھتی ہے۔ روزہ رکھنا چاہیے اور اس روزے کو دوست کے مشاہدہ کے سوا کسی چیز سے افطار نہیں کرنا چاہیئے۔

اسے افطار کے وقت ایک خوشی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس دنیا کا محرم ہو جاتا ہے۔ وہ جو مناجات اس روزہ کے افطار کے وقت کرتا ہے حق تبارک و تعالیٰ اس کے باطن کو بشارت دیتا ہے کہ: میرا وصال تیرے لئے ہے۔ تو دعا پر قائم رہ تاکہ کل جب سارے لوگ کھانے اور پینے میں مشغول ہوں تو تو میرے دیدار کو پانے والا ہو کیونکہ اس قسم کے روزہ داروں کا اجر میرے نزدیک میرے دیدار کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ ایسے روزہ داروں کو افطاری کے وقت ایک خوشی یہ ہوتی ہے اور ایک دوسری خوشی دیدار الٰہی کے وقت ہوتی ہے۔ مردانِ حق کے روزے کی حقیقت یہی ہے۔

پھر اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال سے زکوٰۃ دے۔ پس یہ زکوٰۃ اس آدمی پر واجب کی گئی ہے جو کام کر کے کوئی چیز حاصل کرتا ہے اور یہ چیز حاصل کرتے وقت اس کا دل خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لہٰذا اس کے دو سو درہم میں پانچ درہم نکالے گئے ہیں تاکہ یہ اس کی خیانت کا مکافات بن سکے۔

لیکن خاصانِ حق کا مال درہم اور دینار نہیں ہے بلکہ ان کا دل مال کا درجہ رکھتا ہے تاکہ وہ دوستی کے سفر میں اس سے کام کریں۔ اب ان کا دونوں جہان سے نظر اُٹھا لینا ہی زکوٰۃ دینا ہے۔ اگر یہ زکوٰۃ ان سے واپس لے لیں تو ان کی نظر اپنے ہاتھ پر ہوتی ہے تاکہ جو چیز ان کے دل میں آئی ہے انہیں اس کی سزا دی جائے اور وہ قارون کی طرح اپنے رعب کے ساتھ زمین میں دھنس جائیں اور پوشیدہ ہو جائیں کیونکہ وہ حق کے زیادہ نزدیک نہ جائیں مردانِ حق

کی زکوٰۃ کی حقیقت یہی ہے ۔

اس کے بعد ستر جنابت ہے۔ ان کو غسل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ جنابت شہوت کے میلان کی شدت اور آرزو کے اظہار کا نتیجہ ہے اور یہ جنابت روزے کی طرح ایک حقیقت رکھتی ہے ۔ حق کے سوا کوئی آدمی اس سے آگاہ نہیں ہے ۔ اب غسل کا حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ قربت سے امر میں آسکے کیونکہ جنبی کے لیئے قرآن کو چھونا، پڑھنا اور مسجد میں جانا جائز نہیں ہے ۔

لیکن اس راستے میں شوق و محبت ، انابت واجابت اور کرامت و معرفت کے مقامات میں سے ایک مقام کے غائب ہو جانے سے آدمی میں جنابت آجاتی ہے ۔ وہ اس مقام پر پہنچتا ہے اور اپنی اس آرزو کی دید میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ اس حالت میں وہ جنبی بن جاتا ہے ۔ کیونکہ اسے تنہا ہونا چاہیئے ۔ اس کا اس مقام میں رہ جانا شرکت کا درجہ رکھتا ہے ۔ اب وہ دوستی کے حرم میں نظر نہیں کر سکتا اور ندائے حق کو نہیں سن سکتا اور مشاہدہ میں قیام نہیں کر سکتا ۔ اس کو غسل کرنا چاہیے ۔ اس کا غسل یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ نہ کرے ۔ جب تک ایک نظر بھی کسی کی طرف کرے گا ۔ اس وقت تک وہ جنبی ہے ۔ پس معرفت کا سورج اس سے جنابت کو اٹھا لیتا ہے ۔ تاکہ وہ حق کا دیکھنے والا بنے اور خلق کو نہ دیکھے ۔ پس جنابت کی حقیقت یہی ہے ۔

اس کے بعد اسے حج کا حکم دیا گیا ہے ۔ حج اس آدمی پر فرض ہے جو اس کے اسباب کا حامل ہو اور جسے حج ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہ ہو اور وہ اس کی پوری طاقت رکھتا ہو ۔

اس گروہ کا حج یہ ہے کہ وہ بے خودی کا اسباب بناتے ہیں اور ارادت کے عمدہ اونٹ پر سوار ہوتے ہیں اور تسلیم کا کجاوہ درست کرتے ہیں اور معرفتِ حق کو اپنا زادِ راہ اور سواری خیال کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے چوروں سے دلیل کا راستہ موجود پاتے ہیں ۔

دوستی کے بیابان میں داخل ہوتے ہیں۔ اختیارات کی توجہ کو مٹا دیتے ہیں تاکہ عالمِ صفات کی طرف دیکھ سکیں۔ نورِ معرفت کی چمک کے ذریعے اپنی دید کی نجاست سے غسل کرتے ہیں اور اپنی ہمت کے عرفان میں اپنے راز کی حقیقت کو دیکھتے ہیں۔ کنکریاں مار کر دنیا و عقبیٰ اور مخلوق کے حرم کو گرا دیتے ہیں اور جو کچھ ان کے نصیب سے ہے اس کو صدق کی تلوار سے قربان کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہمت کے گرد طواف کرتے ہیں اور پھر مناجات کرتے ہیں کہ "اے بادشاہ! اگرچہ ہمت بلند ہے اور دل کی پاکیزگی کا سر دوستی سے آراستہ ہو چکا ہے۔ لیکن یہ اور ہیں تو اور"۔

اس وقت اس مناجات کی اجابت یہ ہوتی ہے کہ اس کو تجلّی کے حرم میں لایا جاتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اسرار کے راز پر کہتا ہے کہ: "اے میرے بندے جو کوئی اس حرم میں داخل ہو گیا وہ بے خوف ہو گیا اور میرا وصال اس کا مونس بن گیا۔ میں اسے داغِ جدائی میں نہیں رکھتا۔ میں اس کی بصیرت کو محجوب نہیں کرتا تاکہ وہ دنیا اور اس کے دُکھوں، مروّت اور وحشت، دوزخ اور اس کے مقامات اور بہشت اور اس کے درجات سے آزاد ہو جائے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اپنے بندوں پر یہی عطا ہے"۔

ایسے مقام سے جو لے واپس کیا جاتا ہے یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ خود سے نکل جانے کے بعد حق کی طرف دیکھتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو حق سے خود کو دیکھتا ہے بلکہ یہ بخشش اور معرفت کی علامت ہے کیونکہ تو ان لوگوں کو دنیا و عقبیٰ میں نہیں پائے گا۔ اللہ ان پر راضی ہو چکا ہے۔

جس آدمی کو دونوں جہان کی مخلوق سے چھین لیا جائے اس کو بہشت میں کوئی نہیں دیکھتا۔ نہ وہ اس جگہ دکھائی دیتا ہے اور نہ اس جگہ کسی کو ملتا ہے۔ ان درویشوں کی نشانی دونوں جہانوں میں یہی ہے اور ربوبیّت کے اظہار سے ان کی بندگی کے راز پر یہی آثار ہیں پس ایسا بحر جس میں اس قدر عجائب ہوں اس کی تعریف آدمی کس طرح کر سکتا ہے؟

لیکن یہ ربوبیّت کا بحر ہے۔ اس سے گزرنا پُرخطر ہے کیوں کہ اس میں ایک بڑی عزیز

اور مکرم صدف ہے اور وہ صدف عالی نظر ہے کیونکہ اس میں بادشاہی کا راز پوشیدہ ہے لیکن اس راستے کا زادِ راہ سوزشِ راز ہے۔ یہ دوستی سے ہمیشہ جلتا ہے اور جلنے سے آگ کی چنگاریاں ہمیشہ اُچھلنے کی کوشش کرتی ہیں اور جس کسی نے یہ سفر اختیار کیا وہ اس وقت تک مسافر نہیں بن سکتا جب تک عادت کی جان کو پاؤں کا فرش نہ بنائے جب وہ ایسا کرتا ہے تو اس کے ساتھ یہ سفر طے کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس بحر کا غوطہ زن اپنی جان پہلے قربان کر دیتا ہے اور جب تک آدمی زندہ ہے وہ اس راہ کا سفر نہیں کر سکتا۔ جس طرح کہ کہا گیا ہے:

در بحرِ ربوبیت رہ پُر خطر است
کانجا صدف عزیز علوی نظر است
چون توشۂ آن طریق شور و شر است
مر رہرد بحر را ز عادت گذر است

بحرِ پنجم

الوُہیّت

بحرِ پنجم الوُہیت ہے اور اس کا گوہر وصال ہے۔ بحرِ الوُہیّت آثارِ الٰہی ہے۔ اللہ ایک ہے اور والہیان زیادہ ہیں۔ اس بحر کی صدف والہی ہے۔ لیکن جب تک غوطہ زن اس صدف کو پا نہ لے ہم اسے والہی خیال نہیں کرتے۔ اس والہ کو جو بے خودی ہوتی ہے وہ آثارِ الٰہی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کو بارگاہِ الٰہی میں محبت کی شراب چکھائی جاتی ہے اور وہ مستی سے والہ بن جاتا ہے۔ لیکن نہ تو وہ اپنی صفت بیان کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنی والہی سے کچھ بیان کر سکتا ہے اور نہ ہی اپنے سکر اور شرب سے کچھ بیان کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اسے مغلوب اور مقہور بنا دیا جاتا ہے۔

پس الٰہ ایک ہی ہے اور وہ سب کو جو رکھتا ہے، اپنی قدرت سے رکھتا ہے۔ اسے اپنی رعایت کی پناہ میں رکھتا ہے۔ ایک کو جلال کا کشف دیتا ہے اور ایک کو جمال کا کشف دیتا ہے اور ایک دوسرے کو لطف کا کشف دیتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مقام پر رکھتا ہے۔ ایک کو دوسرے کے مقام سے آگاہ نہیں کرتا اور دوسرے کو اس ایک کے مقام کی خبر نہیں دیتا۔

لیکن والہ حیراں کو کامل بے خودی اور بے قراری ہوتی ہے اور جو نہیں جانتا کہ اسے کیا ہو گیا ہے، اسے اپنی محرمی کی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس طرف سے ہوئی ہے۔ وہ اپنے دل کو دیکھتا

ہے کہ یہ کسی چیز پر قرار نہیں پاتا اور راز کو دیکھتا ہے کہ اسے کسی چیز پر سکون نہیں آتا۔ لیکن وہ اس سے آگاہ نہیں ہوتا لہٰذا اس کی بے قراری اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا سارا وجود اللہ کا آرزومند بن چکا ہوتا ہے۔ وہ شیفتگی اور محبت میں گر چکا ہوتا ہے اور وہ معرفت صبحی کا سورج دیکھ چکا ہوتا ہے لیکن اس نے محبت کو اپنا محرم نہیں پایا ہوتا۔ رات اور دن میں دس ہزار سانس لیتا ہے اور ہر سانس سے دس ہزار پردوں کو حرکت میں دیتا ہے۔ بے قراری اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کا ہر حجاب ایک منزل ہوتی ہے۔ جب بے قراری کے پردے دیکھتا ہے تو خوف اور آرام سے اپنے حجاب کو تنہا دیکھتا ہے کہ وہ اس سے اُتر رہا ہے تاکہ اس کا حجاب سفید بن جائے۔ وہ ہمت کے نفس کو اشارہ خیال کرتا ہے کہ یہ ہر جراحت کو قبول نہیں کرتا۔ محبت اس پر فنا کا خط کھینچتا ہے اور اس کو معاف کر دیتا ہے کیونکہ اگر اس کی ہمت آہ بھرے تو محبت کو جلا ڈالے۔ یہاں تک کہ آدمی جان کی ولایت سے معزول ہو جائے یا وہ اس کے عمل میں ہلاک ہو جائے یا اسے مجنوں کی طرح اس کی محبت سے دیوانہ کر ڈالے۔ تاکہ وہ تمام مخلوق سے بیزار ہو جائے۔ لیکن وہ مصلحتوں کی بنا پر سرد آہ بھرتا ہے تاکہ اس سردی سے چیزوں کے نہ چاہنے کی قوت ظاہر ہو جائے۔

محبت کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیئے تاکہ اگر اس کے بعد اس کے سامنے سے کسی چیز کا گزر ہو تو وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہو خواہ یہ چیز دنیا و عقبیٰ ہی ہو۔ یہاں تک کہ وہ ہمّت کے راستے کا مسافر بن جائے کیونکہ راستے میں ٹھہرنا درست نہیں ہے۔

جب یہ پردے مٹ جاتے ہیں تو اسے اس وقت سب چیزیں میسّر ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی ہمت کا ہم سفر بن جاتا ہے۔ اس کی ہم سفری یہ ہے کہ جس چیز پر ہمت نظر نہ کرے اسے ہمّت سے موافقت کرنی چاہیئے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دل میں ایک نور پائے گا اور یہ نور ارادت ہے تاکہ وہ اس چمک میں حق کی ارادت کے سوا کسی ارادت کو اپنے دل کا محرم نہ پائے۔ وہ نور اس کی غذا بن جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اس کے بغیر ایک لحظہ نہیں

رہ سکتا۔ محبت کے لئے اس نور کا میوہ یہ ہے کہ تمام مخلوق کی زندگی اور موت اس کے نزدیک برابر ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد صدق کے نور کی چمک ہے۔ جو اس کو مفرد بنا ڈالتی ہے کیونکہ اس کے دل میں کسی مخلوق کی نگاہ نہیں رہتی۔

اس کے بعد اسے شوق کے نور کی چمک دکھائی جاتی ہے۔ اس کی تمام آرزو یہ ہوتی ہے کہ سب چیزوں کو اس کے دل سے مٹا دیں تاکہ وہ حق کا آرزومند بن جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب کچھ اس سے بیان کرے۔ اس طرح گستاخ بن جاتا ہے کہ تمام غم اور خوشی اس سے بیان کرنے لگتا ہے جس طرح کہ ماں باپ کے سامنے بیان کی جاسکتی ہے اور اس کو تاثیر سکر کہتے ہیں۔

اسے اس مرتبہ میں رکھا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے نزدیک جان بے قدر بن جاتی ہے اور وہ ہر گھڑی حق سے مناجات کرتا ہے: "اے خدا، مجھ میں اس سے زیادہ جدائی کی ہمت نہیں اور نیز تیرے بغیر مجھے صبر نہیں آتا" وہ رونے والا اور حیران بن جاتا ہے اور اپنی تمیز کے تصرف سے عریاں ہو جاتا ہے۔ اس کا سوز ہر لحظہ زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اس کی مشغولیت بڑھتی رہتی ہے۔ اور اس کی بے صبری انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کی حالت یوں ہو جاتی ہے، جیسے تو کسی شخص کو تلوار مارے اور وہ نہ مرے نہ زندہ رہنے کے قابل رہے۔ اسی طرح یہ آدمی نہ حق تک پہنچا ہوتا ہے اور نہ ہی واپس آسکتا ہے۔

وہ ہمیشہ اس چمک میں جلتا رہتا ہے اور اس کا طالب رہتا ہے۔ سب ہلاکت سے گریز کرتے ہیں لیکن وہ ہلاکت کو جان کے عوض خریدتا ہے تاکہ دوست تک پہنچ جائے۔ اگر حق کی تمام مصیبتیں اس کا رخ کریں تو بھی وہ ان کو دوستی اور محبت خیال کرتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔ اگر وہ اسے جلائیں اور اسے سزا دیں تو بھی اسے اس کی خبر نہیں ہوتی۔ اگر حق اس کی آرزومندی کو فرشتوں پر ظاہر کرے تو وہ سب اس کی

آرزو پر۔ دینے لگیں اور تمام مخلوق کو اس پر نثار کردیں۔ اس پر حق کی نعمت اور بخشش اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ لیکن اسے وہ ہمیشہ اس آرزومندی میں رکھتا ہے تاکہ وہ سب کا سب اس دوستی پر فدا ہو جائے۔

تب حق دوستی کے سورج کے ذریعے اس کے دل کو ایک چمک عطا کرتا ہے تاکہ اس کے دل کی ولایت کو مکمل طور پر لے لے۔ جب محب خاک ہو جاتا ہے تو وہ بے اختیار، بے تدبیر اور بے تصرف بن جاتا ہے۔ تاکہ حق اس کو جس حالت میں بھی رکھے وہ اسی طرح رہے۔ کوئی چیز اس کے لئے بلا نہیں ہوتی۔ جس چیز کو دوسرے لوگ مصیبت سمجھتے ہیں اور جس چیز پر دوسرے آہ و نالہ کرتے ہیں وہ اس کو نہیں دیکھتا۔ جو شے دوسروں کے لئے راحت ہے وہ اس کے لئے محنت بن جاتی ہے اور جو چیز دوسروں کی خوشی کا سبب ہے وہ اس کے لئے غم کا موجب بن جاتی ہے۔ گویا اس نے بشریت کی بنیاد سے رشتہ توڑ لیا ہے اور وہ مر چکا ہے۔

لیکن صفت تبدیل ہوگئی: اگرچہ وہ لوگ جنہوں نے اسے نہ دیکھا ہو اگر اسے دیکھ لیں تو وہ اس کے دوست بن جاتے ہیں اور ان پر بخشش ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایسے آدمی کے اندر دوستی کی حقیقت اثر کر چکی ہے۔ زمین اس کے قدم کے نیچے ناز کرتی ہے آسمان اس پر قربان ہوتے ہیں اور پہاڑ اس کے پاؤں کے متلاشی ہوتے ہیں۔ دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں اس کو چاہنے لگتی ہیں۔ اس لئے کہ خدا اس کا دوست بن جاتا ہے۔ تمام چرندے اور پرندے اس سے راحت پاتے ہیں۔ اسے دوست کے سوا کوئی چیز درکار نہیں ہوتی۔ ان سب کو حق اس کا دوست بنا دیتا ہے کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں لہٰذا تم جو میرے بندے ہو، میرے دوست کو دوست رکھو۔ اس طرح کے محبوں کی دوستی دل میں یوں جگہ گھیر تی ہے جس طرح کہ نرم زمین میں درخت —— اور اس کو دوستی میں یوں رکھا جاتا ہے کہ وہ دوست کی لطافت میں مستغرق ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس پر بخشش اور اکرام کرتے ہیں اور اس کے سرّ کو تجلی کی چمک سے آراستہ کرتے ہیں تاکہ وہ ساری دنیا کو حجاب کے بغیر عالمِ صفا دیکھے ۔ حق اس پر جو کچھ بخشش کرتا ہے اس کو واپس نہیں لیتا کیوں کہ وہ خود کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو دوستی کے موافق نہ ہو۔

اس وقت ایک چمک ہوتی ہے جو آنکھ سے اس کی یہ صفات چھین لیتی ہے اور وہ آثارِ الٰہی ہے۔ وہ اس کا بحر بن جاتی ہے تاکہ وہ اس میں مستغرق ہو جائے اور زیادہ کچھ نہ جانے کہ وہ کس چیز سے ہے اور کس پر ہے؟

اس وقت وہ صدف کو پالیتا ہے اور یہ ایک نور ہوتا ہے جو اس کی آنکھ کو قبض کرتا ہے، تاکہ اس کو راستے سے باہر لے جائے اور یہ رعایت ہے۔ لیکن اس نور کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ وہ خدا کے حکم میں ہے۔ اس کے حکم میں رہنا، اس سے مستفید ہونا یعنی اس کی چمک میں راستہ طے کرنا، یہ آدمی کے لئے صدف کے مقامات ہیں۔ جب وہ آنکھ کو پاتا ہے تو اس کو آنکھ کی صورت خیال کرتا ہے تاکہ اس سے ہمت کو تنہائی کے قیام میں برقرار رکھے۔

اس کے بعد ایک دوسری چمک اس پر غالب بن جاتی ہے وہ آنکھ بھی اس میں حجاب بن جاتی ہے اور اس کا راز عادت کا مکان بن جاتا ہے۔ اس کو اس سے اترنا چاہئے۔ عارف ہمت کو واسطہ خیال کرتا ہے اور وہ بغیر پاؤں کے چلتا ہے، بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے۔ بغیر کان کے سماع کا تصرف پاتا ہے اور بغیر زبان کے گویائی پاتا ہے۔ اس کو "ولہ" کہتے ہیں۔ اس کی "والہی" درست بن جاتی ہے اور ولہ کا کمال اس کے اہل کو یہی ہے۔

اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ اس چیز کو اس کی آنکھ سے محو کر دیتا ہے جس کا نام مخلوق ہے اور اپنے مشاہدہ کو اس پر کشف کرتا ہے اور اس کے ساتھ اسرار میں ایک راز بیان کرتا ہے کہ "میں نے مرغوب نعمت کو تجھے عطا کیا کیونکہ تو ہماری محبت کی آگ

میں جلتا اور بھڑکتا رہا اور ہماری دوستی میں پگھلتا رہا اور تو تمام عالم سے بیزار ہوا۔ یہ ہے ہماری نوازش تیرے لئے ـــــ تو اپنی ارادت سے نہیں جانتا تھا کہ تو نے کیا چاہا ہے؟ اب جان لے کہ ہم نے تجھے چاہا تو تب تُو نے ہماری چاہت سے ہم کو چاہا ہے۔ پس ہماری چاہت نے تجھے ہمارے مشاہدہ تک پہنچا دیا۔ تیری ارادت، صدق اور محبت نے تجھے یہاں تک نہیں پہنچایا۔ تو ہم سے اس کی طرف دیکھ کیونکہ ہم نے تجھے اس مقام میں پہنچایا ہے۔ تو یہ خیال نہ کر کہ میں اپنے فعل سے اس مقام تک پہنچا ہوں۔ تو نے ہماری قوت سے قوت پائی ہے اور ہماری ارادت سے محبت پائی ہے اور ہماری تعریف سے معرفت پائی ہے اور ہماری کشش سے ہماری درگاہ پائی ہے اور ہماری نمائش سے ہمارا مشاہدہ پایا ہے۔ پس جب تو نے سب کو ہم سے پایا ہے تو کیا پھر تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایک گھڑی بھی ہم سے دور رہے؟ تیری عزت ہم سے ہے کیونکہ تو ہمارا پروردہ ہے۔ محبت کی شکستگی اس وقت درست بنتی ہے جب وہ یہ درجہ پاتا ہے۔ والہانِ حق کے حال کی درستی یہی ہے۔

پس اے جوانمرد! ایسے درد کو قال اور حال سے نہیں پایا جا سکتا کیونکہ قال صورت چاہتا ہے۔ والہانِ حق میں دل ایک بہت بڑا عجب ہے کیونکہ دل ایک مکانیت رکھتا ہے۔ پس والہان اس مکان سے باہر ہو جاتے ہیں نہ کہ اپنے گھر اور پتھروں کے مکان سے۔ کیونکہ الٰہ کا کوئی مکان نہیں ہے۔ والہ کا اپنے مکان سے باہر جانا بھی اسے درگاہِ الٰہ تک نہیں لے جاتا۔ والہان پہاڑ پر جاتے ہیں کیونکہ ان کے دل میں ایک آگ ہے اور ان کے دل کی اس آگ سے پہاڑ پانی ہو جاتا ہے۔

لیکن پہاڑ پر اس لئے جاتے ہیں کہ حق نے بیان کیا ہے کہ دوزخ کی آگ کی غذا پہاڑ اور آدمی ہیں تاکہ "والہان" اس "والہی" میں یہ خیال کریں کہ اس آگ کی گرمی میں جو ہم آدمی ہونے کی وجہ سے جل رہے ہیں، پہاڑ بھی جل جائے گا۔ کیونکہ ہم دونوں کو دعوت

دی گئی ہے، لیکن بیچارہ" والہ" اتنا فرق نہیں کرسکتا کہ دنیا ابھی تبدیل نہیں ہوئی اور یہ آگ دوزخ کی آگ نہیں ہے کیونکہ خود دوزخ کو اس آگ سے سزا ملے گی بلکہ یہ دوستوں کی بزرگی کا اظہار ہے کیونکہ دوزخ کو اس لئے بنایا گیا ہے کہ وہ سب پہ قہر کرے اور ان کو ڈرائے جب دوستوں کو اس جگہ لایا جائے گا تو ان کے دل کی آگ دوزخ کو دور کردے گی۔ اور دشمن خیال کریں گے کہ دوزخ کی آگ ہم کو نہیں پکڑے گی۔ دوزخ کو یہ عذاب ہوگا کہ دشمن مجھ سے ڈرتے تھے۔

ان کے پہاڑ پر جانے کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ وہاں ہر پتھر کی تسبیح سن سکیں اور اس سماع سے خوش ہوں۔ خود کو اور پہاڑ کو حقیر خیال کریں اور اس والہی میں دوست سے مناجات کریں کہ وہ تمام مخلوقات سے بے خبر بن گئے ہیں اور جو کچھ چاہتے ہیں وہ دوستی کے موجب چاہتے ہیں۔ یا وصال چاہتے ہیں یا فراق سے بچنا چاہتے ہیں۔ حق اس سے زیادہ کریم ہے کہ وہ ان کو اس وجہ سے پکڑے کہ وہ اس کے مغلوب ہیں اور مغلوبوں کو معاف کرنا بڑا فضل ہے۔

لیکن جب وہ اس والہی سے باہر آتے ہیں تو ان کو بات بات پر پکڑا جاتا ہے کیونکہ وہ سکر سے صحو میں آچکے ہوتے ہیں۔ جب تک وہ سکر میں ہے اس کی اقتدا کرنی جائز نہیں۔ جب صحو میں آجاتا ہے تو وہ اقتدا کیا جانے کے لائق ہوتا ہے۔ اس صحو میں اس پر وہ کچھ ظاہر ہوتا ہے جو والہی میں اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ ہر ایک سے تجربہ حاصل کرتا ہے اور ہر ایک کے علم سے حقیقت طلب کرتا ہے اور ہر چیز کے ظاہر سے باطن تلاش کرتا ہے۔ اس وقت جس چیز میں متحرک تھا اب اس میں ساکن ہو جاتا ہے اور اس وقت جس چیز کو نہیں دیکھتا تھا اب اسے دیکھنے والا بن جاتا ہے۔ دل اور باطن کے احوال سے واقف ہو جاتا ہے یعنی جان لیتا ہے کہ راستے میں ٹھہرنا اور اس سے جدا ہونا کیا ہے؟ اور آدمی کا راستے میں رہ جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا کیا ہے؟ ہر ایک

کے حال کو پا لیتا ہے۔ صاحبِ ارادت کو جان لیتا ہے اور صاحبِ صدق، مشتاقوں اور مجنوں کو پہچان لیتا ہے اور راضی اور صابر لوگوں سے آشنا ہو جاتا ہے۔ متوکلوں اور مفردوں کو پہچان لیتا ہے۔ مبتدیوں اور موحدوں کو جان لیتا ہے۔ صاحبِ وقت اور صاحبِ حال کو پہچان لیتا ہے۔ اہلِ سماع اور اہلِ عشرت کو جان لیتا ہے اہلِ زندگی اور اہلِ معاملت کو پہچان لیتا ہے۔ صاحبِ نظر اور صاحبِ خبر سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ مجرد اور مسافروں کو جان لیتا ہے۔ مدعی اور حقیقی کو پہچان لیتا ہے۔ آرزومندوں اور اُمیدواروں سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ پس جس آدمی کو اتنے علوم حاصل ہو جائیں وہ اس راستے کی راہنمائی کے لئے شائستہ ہے اور اس کی اقتدا کرنی چاہیئے۔

جس کسی کو یہ علوم حاصل نہیں ہیں وہ اس راہ پر چلنے والے کی تربیت نہیں کر سکتا اور اسے اس چیز کی دعوت نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ایک خطرناک راستہ ہے۔ اس لئے کہ جو کوئی اس راستے پر آجائے پھر اس کا واپس ہونا کفر ہے۔

لیکن چلنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس طرح کے علم کو پہچانتا ہو۔ ہم یہاں اس کی صفت بیان کرتے ہیں کہ عارف کی زندگی سے مرید پر کیا اثر ہوتا ہے۔ جب مُرید عارف کے قول پر عمل کرے یا اس کے بیان کو سُنے تو اسے اپنی دید کو طلب کرنا چاہیئے کہ کیا اسے اس کی کسی چیز پر آرام آتا ہے؟ یا اس کا بیان اسے تمام آسائشوں سے دور کر دیتا ہے؟ اور کیا وہ اپنی تمام قدر کو اس کے سامنے بے قدر بنا دیتا ہے؟ اور کیا وہ گم شدہ دل کے نشان کو دوبارہ پاتا ہے؟

اب تو اس صحبت کو نگاہ میں رکھ تاکہ اس سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔ سماع کرنا اس صاحبِ صحو کے لئے جائز ہے جسے یہ تجربے حاصل ہوں۔ وہی ہے جو مریدوں کو سماع میں صلاح اور فساد سے باز رکھ سکتا ہے اور ان کی شرطوں کو جانتا ہے۔ وہ ان کے روزگار زمانہ سے دوبارہ انصاف چاہتا ہے۔ ان کے دل کی حاضری کا پتہ دیتا ہے اور ان کی

صحبت کا وقت دوبارہ چاہتا ہے۔ ان کے تواجد میں سخاوت اور ایثار چاہتا ہے اور ان کے حال کو پانے سے درستی طلب کرتا ہے۔ اس مرشد کے حکم چلتے ہیں کیونکہ وہ اہلِ دید ہوتا ہے۔ جو کوئی اس کی صحبت میں رہے وہ روزگار کو مکمل پاتا ہے کیونکہ وہ اس کے حکم اور اشارہ کا پاس رکھتا ہے۔

پس جو لوگ اس راستہ میں آئے اور انہوں نے اس راستے کے جاہلوں کی اقتدا کی وہ زندگی کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں۔ وہ صورت (ظاہر) سے آئے اور صورت پر ہی رہے۔ کیونکہ انہوں نے ایسے آدمی کو طلب نہ کیا جس کے طالب نیازمند ہوتے ہیں اور انہوں نے خود نیازمندی کو طلب نہ کیا۔ نیازمند اور طالب وہ اہلِ دل آدمی ہے جو معنوی زندگی کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا تاکہ اس سے وہ اپنی قوت پائے۔

لیکن آدمی کو چاہیئے کہ وہ دل کو دوبارہ پہچانے کہ آیا وہ صاحبِ صحو ہے یا صاحبِ قبض؟ صاحبِ سکر ہے یا صاحبِ حزن؟ صاحبِ وجد ہے یا صاحبِ وقت؟ صاحب حالت ہے یا صاحب کرامت؟ صاحبِ فراست ہے یا صاحبِ حیات؟ یا صاحب بصیرت ہے؟ ہم ہر ایک کی مختصراً سیرت کچھ بیان کرتے ہیں۔ صاحبِ صحو مقام فرخ میں، صاحبِ قبض مقامِ جلال میں، صاحبِ سکر مقامِ غلبہ میں، صاحبِ حزن مقامِ آرزومندی میں صاحبِ وجد ولہ کی طلب میں ہوتا ہے۔ صاحبِ کرامت اپنے اظہار کا طالب ہوتا ہے اور صاحبِ فراست اپنی شہرت کرنے والا ہوتا ہے۔ صاحب حیات وجود کا طالب اور صاحبِ بصیرت وصال کا طالب ہوتا ہے۔

پس تمام لوگ نصیب کے بحر میں غرق ہو گئے ہیں۔ آدمی کو غرق ہونے والوں سے عبرت پکڑنی چاہیئے کیونکہ ان کا پیشوا وہ آدمی ہوتا ہے جس میں کوئی نصیب نہ رہا ہو۔ پس یہ صاحبِ صحو ہے کہ وہ سب اس میں جمع ہیں اور وہ ان سب چیزوں سے گزر چکا ہے۔ یہ دوسرے اس کی شاخیں ہیں اور وہ جمع ہے۔ پس جو کوئی چاہتا ہے کہ وہ جدائی سے

رہائی پانے اسے جمع سے تذبذب کرنا چاہیئے تاکہ اس کا دل جمع بن جائے اور وہ راستے میں زیادہ مہذب ہو کر آئے۔ کیونکہ یہ بحر الوہیت بہت بڑا بحر ہے۔

لیکن غوطہ زن کو اس قدیم بحر میں ہونا چاہیئے اور اسے دل و جان کو ترک کر دینا چاہیئے تاکہ اس پر جان کا ہونا اور نہ ہونا مسلّم بن جائے کیونکہ حق اس کے ظاہر اور باطن کو جاننے والا ہے۔ اس راہ میں جان دینا خطرے سے خالی نہیں ہے جس طرح کہ کہنے والے نے کہا ہے:

نظم

این بحر الہیش عظیم است و عظیم
غواص بدان بحر ہمی بود قدیم
ترک دل و جان بہ نزد وی باد سلیم
چون بر سر و الہیش حق ہست علیم

بحرِ ششم

جمال

بحرِ ششم جمال ہے اور اس کا گوہر رعایت ہے۔ یہ بحرِ جمال ایک ایسا بحر ہے جو غوطہ خور کو اپنی لطافت و اضافت میں غرق کر دیتا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جلال و جمال اللہ تبارک و تعالیٰ کی ایک صفت ہے جس کسی کو اس بحر میں غرق کیا گیا اور جمال کو اس پر کشف کیا گیا۔ اس نے تصرفات سے فنا پائی اور جمال کے پالنے سے بقا پائی۔ اس پر کوئی چیز مشکوک نہ رہی اور ان علوم کے ذریعے اس پر کوئی چیز مشکل نہ رہی۔

لیکن وہ لوگ جو ان کشوف سے حجاب میں رہے وہ جہالت کے مرتبہ میں مقیم ہو گئے۔ ان کی یہ حالت ان کی بے بصیرتی کی وجہ سے ہے۔ خود یہ بات اس کی عزت ہے کیونکہ نامحرم کی نظر کو اس کی ذات کا دیدار نہیں کرایا جاتا اور ہر نااہل کو اس ولایت کی نعمت میسّر نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ خاص الخاص مقام ہے۔ پس خاص الخاص کے حق میں یہ خاص عام ہے کیونکہ وہ جلال کے حکم میں ہے۔ وہ اہلِ جمال کے نکتہ پر دیدار نہیں رکھتا دوسروں کو کہاں اس کا دیدار ہوتا ہے؟

لیکن اس بات کو اس کے اہل سے رموز و اشارہ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو کمال درجے کی بینائی ہوتی ہے۔ ہر نیازمندی ایک عبادت سے ہے جس سے وہ

دیکھتا ہے کہ وہ دوستی میں گرفتار ہے۔ اس علم کا دو آدمیوں سے بیان کرنا جائز ہے۔ دوسروں کو مصیبت میں ڈالتا ہے جس کسی کا دل دونوں جہانوں کی محبت سے پاک ہوگیا ہے اور جان اس کے نزدیک بے قدر بن چکی ہے اور وہ عادت کی منزل سے باہر نکل چکا ہے' وہ اس علم کا مستحق ہے کیونکہ مستحقوں پر بخشش اور سخاوت کرنا مناسب ہے۔ اگر کسی آدمی نے اپنی تمام عمر میں اپنی جان کی بقا پر ایک نظر بھی کی ہو تو اس سے دوستی کی حقیقت بیان کرنا حرام ہے۔

یہ جمال جو ہمتوں کا تباہ کرنے والا ہے اور جانوں کو جدا کرنے والا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہوتا تو جمال کا کمال اہلِ جمال پر ظاہر نہ ہوتا۔ اس کا کمال ہنا کے حق میں پڑتا ہے تاکہ وہ خود کو غائب کرے اور اس کے نزدیک دل اور راز سے کوئی چیز نہ رہے۔ نہ وہ مقامات کی بقا کو جانے اور نہ احوال کی بقا کو سمجھے۔ اس کو سب کا سب چھین لیا جاتا ہے اور سب چیزوں کے زوال سے اسے آراستہ کیا جاتا ہے۔ آدمی کو افسوس نہیں ہوتا لیکن حیا اس کو اسیر کرلیتی ہے اور وہ شرمندگی سے متحیر ہو جاتا ہے کہ ایک بار مجھے لاکھوں جانیں حاصل ہوتیں تاکہ وہ انہیں اس راہ پر قربان کر دیتا۔ پس کونسا حوصلہ ہے جس میں اس بات کی مجال ہو۔؟

جب آدمی کی حالت جمال کے کشوف میں اس طرح ہو جاتی ہے تو اسے کامل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جمالِ الٰہی کے ذریعے کمال پر پہنچتا ہے۔ وہ دوسروں کو صحیح طرح پہچان لیتا ہے کہ وہ کتنے مکرّم بندے ہیں۔ ان لاکھوں میں سے جن کو اس راستے پر لایا جاتا ہے، صرف ایک کو اس مقام پر پہنچایا جاتا ہے۔ دوسرے سب اس کے طفیل ہوتے ہیں جو مراد ہے۔ جو کوئی ایک دوست کو اپنی دعوت کی طرف بلاتا ہے، چند آدمیوں کو اس دعوت میں اس کے طفیل سے لایا جاتا ہے تاکہ وہ نہ جانیں کہ صاحبِ دعوت کا مقصود کون ہے؟ اور یہ اس کے راز کو چھپانے کے لئے ہے۔ اس لئے آدمی حق تک خواص کو نہیں پاسکتا۔ چند ہزار آدمی

اس کے انفاس کی عبارتوں اور اشاروں سے راہ پاتے ہیں اور آگاہ نہیں ہوتے کہ اس کا حق سے کیا تعلق ہے؟ اس وجہ سے کہ وہ حق سے ہر آدمی کی طرف نہیں دیکھتا۔

جب حق کا اذن اسے آگاہ کرتا ہے تو وہ راستے میں رہ جانے والوں کے لئے مدد طلب کرتا ہے اور سالکانِ راہ کے لئے بصیرت طلب کرتا ہے وہ سب اس کے ماتحت کام کرتے ہیں کیونکہ وہ دنیا کی راحت ہیں اور مرد ہیں۔ ان کو مرد اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کی مراد ان سے برآتی ہے کیونکہ وہ حق سے ندامت کے ساتھ درخواست کرتے ہیں۔ لیکن جب بادشاہِ حقیقی کا اذن ہو تو اس وقت حق کا لطف ان پر زیادہ ہو جاتا ہے اور اس نوازش میں ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو وہ مانگ لو اور اس سوال کا راز ان پر ظاہر کر دیا جاتا ہے کہ وہ کیا مانگیں اور کس کو طلب کریں؟

جس وقت وہ مانگتے ہیں تو ان کا سوال رد نہیں کیا جاتا اس لئے کہ ان کی یہ خواہش اپنے حق میں نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنے حق میں چاہیں تو جو کچھ چاہیں، وہ اس نعمت کے تحت ہوتا ہے جو ان کو عطا کی گئی ہے۔ جب تک وہ اس نعمت کے تحت نہیں آتے ان کو اس بے ادبی سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر اہلِ حال کو حق کی رعایت نہ ہوتی تو ہر لمحہ لاکھوں جانیں خراب ہو جاتیں اور وہ شرم سے پانی ہو جاتے اور اس پانی سے جو قطرہ بھی اہلِ گورستان پر گرتا وہ آبِ حیات بن جاتا اور اگر پہاڑوں پر گرتا تو وہ تمام جل جاتے اور اگر زمینوں پر گرتا تو ان سب پر نرگس اور ریحان اُگتے اور یہ سب کچھ جمالِ حق کی تاثیر ہے۔

وہ اپنے اختیار کی خواہش سے اس وقت مٹ گئے اور جب حق نے جمال کا کشف دکھایا تو وہ خود سے قائم ہو گئے۔ پس خودی کے ساتھ اختیار کرنا چاہیئے اور محجوبی کے ساتھ سوال کرنا چاہیئے۔ پس ان کو اس مرتبہ سے باہر لے جایا گیا ہے اگر وہ اختیار کرتے ہیں تو

دوست کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر سوال کرتے ہیں تو دوست کے اذن سے کرتے ہیں جو ان کو دکھائی دیتا ہے۔ صاحب نظر عمل، تمیز، تصرفات اور اپنے اختیار سے معطل ہوتا ہے۔ ان کی اس معطلی سے حق یہ لازم کرتا ہے کہ وہ جمال کے کشوف میں ہیں۔ لیکن صاحب نظر معطل ہم نہیں ہوتا کیونکہ یہ ہلاکت کی وادی ہے اور حق ان کو اس وادی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس وقت ان کا امر بجا لانا زیادہ خوبصورت بن جاتا ہے کیونکہ وہ عبادت میں معبود کو دیکھتے ہیں نہ عبادت کو۔

میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ان کو تین اوقات میں ویس کیا جاتا ہے لیکن آدمی اس وقت سے آگاہ نہیں ہوتا۔ ان کو خود ان کی ذات نہیں دکھائی جاتی پھر کوئی دوسرا آدمی ان کو کس طرح دیکھ سکتا ہے کیونکہ دوستوں کو ہر آدمی نہیں دکھایا جاتا۔

لیکن اہل حق پر کرم کرنے کی غرض سے ان کو چند ہزار آدمیوں کا دیدار کرایا جاتا ہے اور حق ان کو دکھاتا ہے کہ ہم نے ہر آدمی کو کس پر رکھا ہے اور ان کو آگاہ کرتا ہے کہ انہوں نے کیا طلب کیا؟ اور ہم نے ان کو طلب کا بدلہ اور اس کی جزا کیا دی ہے؟ حق ان پر ان لوگوں کے راز ظاہر کرتا ہے جن سے حق کی دوستی ہے اور ان کی حق سے دوستی ہے اور ان کو دکھایا جاتا ہے کہ بے علت دوستی کس کو کہتے ہیں؟

یہ تمام چیزیں انہیں دکھائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ ایک لمحہ بھی ان سے مشغول نہیں رہتے اور وہ اپنے کام میں تصرف نہیں کرتے۔ ان کے ترک کرنے اور رکھنے میں فرق نہیں رہتا۔ اس لئے کہ جمال کی نظر ان سب کو ان کے راز سے فراموش بنا ڈالتی ہے۔ اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ قائم نہ ہوتے کیونکہ وہ اتنے ہزار آدمیوں کے ساتھ بیٹھتے، آتے، جاتے، کہتے، سنتے، دیکھتے اور غور کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے ان کا راز ان تمام سے بے خبر ہوتا ہے۔

پس ان سے کون آگاہ ہو سکتا ہے کیونکہ ان کی عزت اتنی بزرگ ہے، اگر وہ ان

سے مشغول رہتے تو عزیز نہ ہوتے بلکہ ذلیل ہوتے، کیونکہ ذلیل کو ہر جگہ سے مشغول رکھا جاتا ہے لیکن عزیز کو تمام جگہوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ محرم ہیں اور محرم کو اس کی عزّت کی وجہ سے نامحرم کو نہیں دکھایا جاتا۔

جس کو جمال حاصل ہے وہ حق کا شہید ہے کیونکہ اس کا شہید ہونا حق کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کی ہستی کے راز کو اس منظام میں اٹھالیا گیا ہے اور انہوں نے مشاہدہ سے شہادت پائی ہے۔ اگر ان کو یہ شہادت حاصل نہ ہوتی تو وہ سب تمیز اور تصرّفات، جن کی ہم نے اوپر تعریف کی ہے، انہیں غارت کر دیتے۔ وہ حق کے مشاہدہ کے حرم میں کشتگانِ حق ہیں۔ ان کو ان کی آزادی کے میدانِ جنگ سے باہر لایا جاتا ہے۔ ان کی جنگ حق کی عنایت سے ہوتی ہے اور ان کی تلوار خود حق ہوتی ہے۔ سیفِ قاطع سے کہا جاتا ہے۔ تاکہ وہ اسے عافیت کی زرہ پر مارے اور تلوار کو مکانِ جاہ سے گرائے تاکہ وہ اسے اس کی دید کی ہلاکت سے رہا کرے۔

اس قسم کے شاہد کو اس اور اس جہان میں ایک بزرگواری حاصل ہے۔ پس جب کسی کو مشاہدہ چاہیئے وہ اس بحر میں ایک سفر کرے کہ یہ جہادِ اکبر ہے اور یہ اس رغبت کی طرف مائل ہونا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَكْبَرِ اِلٰى جِهَادِ الْاَصْغَرِ" (یعنی ہم جہادِ اکبر سے جہادِ اصغر کی طرف لوٹ آئے)۔ جمالِ بادشاہی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ صدیقوں کی شعاع ہے کیونکہ حق ان کے باطن کو ایک نور عطا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے حضور میں حاضر ہو جائیں اور اس کے مشاہدہ کے کشوف سے دُور رہیں۔ قتیل اللہ اسے کہتے ہیں جس پر جمال ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ اس کی عادت کی زندگی فنا ہو جائے۔ اس کی اس فنا سے اسے بقا دی جاتی ہے۔ پس یہ فنا نظر اور آنکھ پر واضح ہے گویا تو فنا کو منتخب کر کیونکہ یقیناً فنا ہوگی۔ جب تک تو اس بقا کو نہ پائے اس وقت تک حاضر

کی بات تجھ پر کس طرح راست آسکتی ہے۔؟

لیکن حاضرِ خاص کے لئے بیع اور تجارت نہیں رہتی۔ وہ خود بقا کو خدا کرتے ہیں نہ کہ فنا کو۔ کیونکہ ان میں خود بقا کی دید نہیں رہتی۔ انہوں نے باقی حقیقت کے ساتھ حق کو پہچانا اور وہ اپنی تمام بقا کو اس بات سے ہار گئے۔ ان کے نزدیک بقا اور فنا کا اثر نہیں رہا کیونکہ یہ اثر خشکی کے مسافر کے لئے رہ جاتا ہے۔ بحر کے مسافر کے لئے نہیں رہتا۔ پس وہ جمال کے بحر میں مستغرق ہو گئے ہیں وہ بقا سے بھی اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ فنا سے اور فنا سے بھی اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ بقا سے اور حضوری سے بھی اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ غیبت سے اور محبت سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ عداوت سے اور معرفت سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ ناآشنائی سے اور توحید سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ شرک سے اور وصال سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ فراق سے اور کشف سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ حجاب سے اور قربت سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ دوری سے اور اُنس سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ وحشت سے اور بسط سے اسی طرح پاک ہو گئے ہیں جس طرح کہ قبض سے۔ پس دریا کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مسافر کو ان سے پاک کر دیتا ہے۔ اس میں غوطہ مارنے والا زندہ ہونا چاہیئے اور بحر زندہ کو مردہ بنا ڈالتا ہے۔ پس بحرِ جمال سب سے عالی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔

تب اس کو بقا دی جاتی ہے تاکہ وہ دوست کے جمال سے باقی رہے اور دوست کا دیکھنے والا رہے۔ ان چیزوں کو دیکھنے والا نہ رہے کیونکہ اہلِ حال کو عدمِ دل سے اسی طرح باہر لایا جاتا ہے جس طرح کہ صدف کو دریا سے اور عدم سے اس کا لانا اسی طرح باہر لایا جاتا ہے جس طرح کہ موتی کو صدف سے اور اس کے اس لے جانے کی دید کو اسی

طرح چھین لیا جاتا ہے جس طرح کہ غوطہ خور کو دریا کے دیکھنے سے، جمال کے حضور میں اس کو علت کی آلودگی نہیں رہتی اور ہمت کا قبول کرنا نہیں رہتا کیونکہ ان چیزوں کا رہ جانا اس درگاہ میں بقا سمجھا جاتا ہے۔

یہ بقا اس طرح کے شخص کو ہوتی ہے جس میں جان نہ ہو اور وجود دیکھنے، سننے، بولنے، سونگھنے اور حرکت کرنے سے عاری ہو اور جب روح کو اس میں مرکب کیا جائے تو وہ سننے، دیکھنے، بولنے، سونگھنے اور حرکت کرنے کے قابل ہو جائے۔ پس اس بقا کو اسی طرح کی زندگی ہے۔ زیادہ کوشش کرنی چاہیے تاکہ اس بقا کو زندگی حاصل رہے۔ اس کا پہلا قدم بقا ہے۔ تاکہ وہ استقامت پائے اور اس درگاہ سے دوستی پائے اور خود سے تنہا رہنے کی عادت کرے اور جمع اور تفرقہ سے دور رہے اور جمال کی چمک میں قوی بن جائے اور اس بات کا سوختہ ہو جائے۔ تنہائی کا لباس پہنے، تنہائی کے میدان میں قیام کرے۔ نظر کا منتظر نہ بنے اور ہر چیز میں بے خبر بن جائے۔

اس وقت اس کو زندگی کی حد کی نمائش سے ایک جمال عطا کیا جاتا ہے تاکہ اس کی بقا کی شخصیت حرکت میں آئے کیونکہ وہ حق کے اذن کے بغیر ایک لحظہ بھی جنبش نہیں کرتا اور اس کے اذن کے بغیر سنتا نہیں اور اس کی نمائش کے سوا کچھ دیکھتا نہیں اور اس کے وصال کے پھول کے سوا کچھ سونگھتا نہیں اور اسرارِ دوستی کے سوا اس سے کچھ کہتا نہیں اور اس کے مشاہدہ کے سوا کسی چیز کا مشتاق نہیں ہوتا۔

اہلِ جمال کو اتنے لطائف سے پرورش دی جاتی ہے۔ وہ اس جمال سے رہائی نہیں پاسکتا خواہ یہ ایک ہی نظر ہو کیونکہ اس کی نمائش تمام حالوں کو اس پر حرام کر دیتی ہے۔ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو نہیں دیکھتا لیکن دوست کے اذن سے دیکھتا ہے۔ جمال کے اذن کے بغیر کوئی طعام اور مشروب نہیں کھاتا پیتا اور جب تک وہ جمال نہ دیکھے کوئی بات نہیں کرتا۔

بحرِ جمال میں مسافروں کو ان کی فنا سے اسی طرح کا رتبہ عطا کیا جاتا ہے۔ جانوں سے تقرب کرنا چاہیئے کیونکہ لاکھوں آدمیوں کو اس عالم میں لایا گیا اور باہر لے جایا گیا اور اس بات کی دعوت عام کو ان کے دل پر راستہ نہیں دیا گیا اور انہوں نے تمام عمر میں اس راز کے حرف پر نیاز کی انگلی نہیں رکھی۔ انہوں نے ان علوم کی حقیقت کی تمیز نہیں کی اور انہوں نے اپنی زبان سے خواہش کا تکرار کیا۔

پس اے لوگو! جنہوں نے اس بات کی تمیز کی ہے کہو کہ: "تم دل، جان اور آنکھ کو فدا کر دو اور سوزِ محبت کو غذا بناؤ کیونکہ اس راستے کی خلعت بہت بلند ہے اور اس کی عزت مکرم ہے۔ اس سفر کو اختیار کرو اور ان بحروں میں غوطہ خوری کرو کیونکہ یہ مقدمین کا راستہ ہے اور یہ بقا برآری کے لیے اس بحر کا سرمایہ ہے" تاکہ اس طرح اس بحر میں اس کی بقا ثابت ہو جائے اور تاکہ وہ جان کی بقا سے نفرت کرے۔ کیونکہ جانداروں کی بقا فنا کی بقا ہے جس کسی کے لئے بحرِ جمال جلال بن جائے وہ وصال کا محرم بن جاتا ہے۔ پس جس کسی کو وصال کا محرم بنا دیا جائے اس سے زیادہ بہتر دوست کون ہو سکتا ہے؟ اور اس سے زیادہ بہتر عزت کیا ہو سکتی ہے؟ اور اس سے زیادہ بڑی بزرگی کون سی ہو سکتی ہے؟ اور اس سے زیادہ عالی رتبہ کون سا ہو سکتا ہے؟ کہ حق بندے کو اپنے وصال کی طرف بلائے جس طرح کہنے والے نے کہا ہے: نظم

جون یافت بقا مسافر از بحرِ جمال

زان می نابد بقای جانش بکمال

آنرا کہ شود مسلم از عزِ جلال

درلیش دھند از صدفِ کشف وصال

بحرِ ہفتم

مشاہدہ

بحرِ ہفتم مشاہدہ ہے اور اس کا گوہر فقر ہے۔ یہ بحر مشاہدہ قدیم بحر ہے اور ہم نے اس مشاہدہ کو ہر ایک بحر میں ثابت کیا ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ کے مشاہدہ کی تعریف کسی بھی تعریف کرنے والے کی عبارت میں نہیں سما سکتی کیونکہ تو جس قدر بھی تعریف کرے گا وہ ایک نشانی کی صورت اختیار کر جائے گا اور نشانی مکان اور سمت کی طرف اشارہ کرتی ہے تاکہ اپنے وصف کرنے والے کو ایمان کے مرتبہ سے دور کرے۔

لیکن ہم نے آدمیوں کے حضور کے بارے میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ وہ حق کا حاضر کیا ہوا ہو اپنا حاضر کیا ہُوا نہ ہو اور جو اشارہ ان رموز کے اہل کی طرف کیا گیا ہے وہ اس کو قوت دینے کے لئے کیا گیا ہے۔ تمام بحور اس بحر میں مستغرق ہیں اور یہ مسافر کے تصرّف کا استغراق چاہتا ہے جس کا بیان بحرِ معرفت، بحرِ وحدانیت، بحرِ الوہیّت اور بحرِ ربوبیّت میں ہو چکا ہے۔ حق اس صفت سے قدیم ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس بحر میں بیان ہے کہ آدمی کے راز کو آثارِ حقّی کا کتنا کشف ہوتا ہے اور اس کی صفت کیا ہو سکتی ہے۔ اس میں اہلِ حق کے معاملہ کی سیرت کی تشریح کی گئی ہے کہ حق نے ان کے ہر راز پر کیا نیکی کی ہے تاکہ مریدوں کے صدق میں اضافہ ہو جائے اور نیازمندوں کو حقیقت کی طلب ہو اور گرفتاروں کو دل کی تسکین مل جائے مکشوفوں کو

تجربہ حاصل ہو اور مجوبوں کو نجات کی اُمید ہو سکے۔ سکر میں پہنچے ہوؤں کے لیے غلعت اور مجاہدوں کے لئے ادب علت ہو اور عالموں کے لئے حقیقت کا بیان اور عارفوں کے لئے طریقت کا نشان ہو تاکہ جو کوئی بھی اپنے حال کے مطابق جب اس بات کے ذکر کو سُنے تو وہ اپنے روزگار میں اس کا نشان پائے اور جو کچھ رہ جانے والا ہے وہ اس سے گزر جائے۔

پس یہ تشریح مخلوقات کی صفت میں کی گئی ہے اور حق تبارک و تعالیٰ کا مشاہدہ بیان اور سمجھ سے پاک ہے کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والا اور لازوال ہے۔ ایک ایسا واحد ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کے سوا عارفوں کا کوئی پروردگار نہیں ہے۔

مشاہدہ کے بارے میں جو بیان اس کتاب کے اندر کیا گیا ہے وہ آدمی کو آزمانے کے لیے ہے تاکہ وہ خود سے حقِ خدائی طلب کرے کیونکہ بندے کو اس لئے بندہ کہا گیا ہے کہ وہ حق کی دوستی کی قید میں ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے اور بندہ نیازمند ہے۔ لیکن جب تک حق اپنا مکاشفہ بندے پر کشف نہ کرے اس وقت تک بندہ حق کی بے نیازی اور اپنی نیازمندی کا راز نہیں دیکھ سکتا۔

اب رمز اور اشارہ کے ساتھ ایک بات بیان کی جاتی ہے۔ مشاہدہ کے علوم کی تعریف عالم کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ عالم آدمی کو چاہیئے کہ جب اس کو اس نعمت تک پہنچایا جائے تو وہ جان لے کہ حق نے اس کے ساتھ کیا کیا ہے؟ اور اس کے آداب کو نگاہ میں رکھے کیونکہ بے ادب جاہل ہوتا ہے اور وہ ہر مقام کے احکام اور ارکان کو نہیں جانتا، جب تک عالم آدمی کو اس چیز کا علم نہیں ہوتا وہ اس نعمت کو نہیں پا سکتا۔ پھر اس پر اس علم کی حقیقت کب ظاہر ہوتی ہے؟

پس اے بادشاہ! تُو نے فرمایا ہے کہ "میری بھلائی کو لوگوں کے سامنے بیان کیجئے" (یعنی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ (سورۃ الضحیٰ آیت ۱۱) یہ بیان اسی وجہ سے کیا

گیا ہے ورنہ کس کی یہ طاقت اور ہمت ہے کہ وہ تیرے مشاہدے کی بات کو بیان کرے
ہماری بے حرمتی کو معاف فرما دے اور ہماری بے ادبی اور تصرف کی وجہ سے
ہمیں مت پکڑ تا کہ ہم صدقہ کے طور پر تیری بھلائی سے کچھ بندوں کے سامنے بیان
کریں کیونکہ ہر آگاہ کے لئے ایسا کرنا واجب ہے، پس اس نعمت کے واجبات یہ
ہیں کہ تو راستے پر چلنے والوں کے لئے سواری مہیا کرے۔

لیکن جاننا چاہیئے کہ جس کسی کے سر پر حق کا مشاہدہ کشف ہوا اس نے زندگی
پائی۔ اس کو زندہ کہا جاتا ہے اور یہ زندگی پاکیزہ زندگی ہے اور حیاتِ طیبہ اسے
کہا جاتا ہے۔

لیکن ہم بیان کریں کہ کون سی نظر ہے جو مشاہدہ دیکھتی ہے اور زندگی کس کو حاصل
ہوتی ہے اور اس کی پاکی کیا ہوتی ہے۔ جس کسی کو اس نعمت کے لائق بنایا جاتا ہے
اس کے راستے کے آگے لاکھوں نور پیش کئے جاتے ہیں اور اسے محسوس کرایا جاتا ہے کہ
اس نور کے بغیر اس کو پاک تصور نہیں کیا جائے گا۔ اس کی ایک حد اور نہایت
ہو گی اور وہ خدا کی نعمت ہے اس لئے اس کی تعریف نہیں کی جاسکتی اور نور نظر پر
غلبہ کرنیوالے ہوتے ہیں پس ان کو دیکھا نہیں جاسکتا، ان کی تعریف کس طرح کی جاسکتی
ہے؟ لیکن ان نوروں کو اس پر ظاہر کرنے کے لئے اب ہم بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک
نور کے پھل کا اس کے دل اور راز پر کیا اثر ہوتا ہے؟ اور اس کو کس صفت سے آراستہ
کیا جاتا ہے؟ ہم ان میں سے پندرہ نور بیان کرتے ہیں۔

پہلا: نورِ ہدایت ہے جو آدمی کے دل کی پاکی کے لئے ہوتا ہے تاکہ وہ تمام
امور کا واقف بن جائے اور اپنی بندگی کے راز کو دیکھ لے۔ وہ حق کی ربوبیت کے
آثار کو اس ارادت میں دیکھتا ہے۔ اس کے دل کا تعلق تمام مخلوقات سے
قطع ہو جاتا ہے۔ جب وہ اس میں استقامت پاتا ہے تو اس نور کی شرطوں

کو بجا لاتا ہے۔

دوسرا: نورِ عنایت ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی آنکھ اللہ تعالیٰ کے غنی ہونے کو دیکھنے کے لیے کھول دی جاتی ہے تاکہ وہ اس کی بے نیازی کے آثار دیکھ سکے اور اپنی نیازمندی کے راز سے واقف ہو جائے۔ اس کے پلنے سے آدمی حق کی محبت کا اس طرح مشتاق بن جاتا ہے کہ اس کی بے قراری انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تاکہ وہ حق کی تمام بھلائی کو خود پر دیکھے۔

تیسرا: اس کو اس کی ذلت کے بحر میں غرق کیا جاتا ہے کیونکہ اگر خدا تعالیٰ کی عصمت نہ ہوتی تو وہ ہر لحظہ میں ہزار جانیں ذلیل کرتا تب جا کر کہیں اس میں استقامت پاتا اور مہذّب بن سکتا۔

چوتھا: نورِ معرفت کشف ہوتا ہے۔ آدمی ایک سورج کو دیکھتا ہے جو اس کے سر کے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور اس کے دل کے مغرب پر چمکتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات کی معرفت کو اس کے دل کے مقام میں رکھا جاتا ہے اور یہ ایک اشارہ ہے کہ تمام مخلوق اس کے نزدیک ناآشنا بن جاتی ہے اور وہ اس نعمت سے آشنا ہو جاتا ہے کہ حق نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟ اور مجھ کو کہاں سے لایا ہے؟ وہ اس نور میں ان چیزوں کو ایسے دیکھتا ہے جیسے آدمی سورج کی روشنی میں ہوا کے ایک ذرّے کو دیکھتا ہے۔ اس وقت درستی اس پر زیادہ ہو جاتی ہے اور یہ حق کا اشارہ ہے کہ وہ ان تمام سے گزر جائے۔

پانچواں: نورِ احسان اس پر کشف ہوتا ہے اور یہ ایک تابندہ نور ہے جو آدمی کی آنکھ کو مغلوب کرتا ہے۔ ہر چند آدمی چاہتا ہے کہ حق کا شکر ادا کرے، لیکن عاجز رہتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ مخلوقات کی طرف سے جو احسان بھی اسے پہنچتا ہے اس کو اس کے دل کے نزدیک حاضر کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد حق کی بھلائی کے راز کو اس پر ظاہر کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ تمام احسان حق نے کئے ہیں بندوں نے نہیں کئے ۔۔ اس وقت تمام مخلوقات کے اسبابِ زندگی اور راحت اس پر گراں گزرتے ہیں اور یہ حق کا اشارہ ہے تاکہ وہ دنیا اور اس کے اہل سے آنکھ کو اُٹھا لے۔

چھٹا: نورِ یقین اس پر کشف کیا جاتا ہے اور اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی فنا کو دیکھتا ہے اور دہ دنیا سے یوں متنفر ہو جاتا ہے جس طرح کہ ایک پرہیزگار کو مجبوری میں بھی حرام کھانے سے نفرت ہو جاتی ہے ۔ یہ نور اس کے دل کے سامنے سے ایک پردہ دُور کر دیتا ہے جو اس نے ان نوروں میں نہیں دیکھا ہوتا وہ غفلت کا پردہ ہے ، جنّت کو اس کے دل کی آنکھ پر ظاہر کیا جاتا ہے تاکہ وہ قبر کے راز سے واقف ہو جائے ۔ پل صراط ، قیامت کے راستے کی دشواریوں ، دوزخ ، نامۂ اعمال کے پڑھے جانے ، بہشت اور اس کے تمام درجات کا راز اس کے سِر کو معلوم ہو جاتا ہے ۔ اس وقت اس کے دل کو ان سے شکستگی حاصل ہو جاتی ہے اور یہ اس کے لئے اشارۂ حقّی ہے کہ وہ ان تمام سے گزر جائے لیکن اس سے پہلے اس کے دل پر ان چیزوں کا خیال وارد نہیں ہوتا۔

ساتواں ، نورِ صدق اس پر کشف ہوتا ہے ۔ اس نور کا اثر یہ ہے کہ اس کو راستی کی حد پر نگاہ رکھا جاتا ہے تاکہ وہ حق کی بندگی نہ اس جہان کے لئے کرے اور نہ اس جہان کی خاطر اور نہ اس بندگی کا بدلہ طلب کرے اور نہ ہی اس کے عوض لباس اور کھانے پینے کی چیز مانگے ۔ یہ نور اسے اس راستی پر قائم رکھتا ہے ۔ اس کو صدیق اس لئے کہتے ہیں کہ جس چیز سے اس نے روگردانی کی ہو پھر زیادہ اس کے قریب نہ جائے ۔

آٹھواں : نورِ رعایت اس پر کشف کیا جاتا ہے ۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہے کہ

وہ حق کی حفاظت کو خود پر دیکھتا ہے اور اس حفاظت کا رکھنے والا خود اس کو پہچانتا ہے۔ اگر تمام دنیا اور جنت اس کی ملکیت بن جائیں تو بھی وہ خود کو ان سے بے نیاز پاتا ہے۔ اگر تمام عالم بالا کو اس کے قریب لایا جائے تو بھی وہ خود کو ان میں مبتلا نہیں دیکھتا۔ جب تک اس کی نظر نور پر رہے اس وقت تک تمام نظروں کو اس کے دل سے مٹا دیا جاتا ہے۔ آدمی کو جتنا بھی کسی چیز پر اعتماد ہو یا کسی چیز سے اس کو دکھ ہو۔ وہ اس کے دل کی گرد ہوتی ہے۔ پس یہ نور ان تمام گردوں کو اس پر کھول دیتا ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز کے راز کو اسے دکھایا جاتا ہے اور اس گروہ کا تارک الدنیا ہونا دل سے ہے اور اس نور کی چمک سے ہے۔

نواں: نورِ انابت سے حق اس پر کشف کیا جاتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہے کہ وہ اپنی تمام ذات سے حق کی طرف لوٹ آتا ہے۔ لیکن ابھی اس نے راستہ نہیں دیکھا ہوتا اور معرفت کا جمال نہیں پایا ہوتا مگر وہ اس نور کے اشارے سے اس طرح چلتا ہے جس طرح کہ آدمی صبح کی روشنی میں چلتا ہے اور اس کے اس جانے کو واپسی نہیں ہے اگر واپس آ جائے تو سخت خطرہ ہے۔ اس گروہ کا لڑکھڑانا یہ ہے کہ وہ جاتے ہوئے کسی قدم اور لحظہ پر ٹھہر جائیں۔

دسواں: نورِ اجابت اس پر کشف کیا جاتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ وہ حق کا امیدوار بن جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ گویا اسے ہر گھڑی دیدار کرایا جا رہا ہے۔ وجد، وقت اور حال جو آدمی کو ہوتا ہے وہ اس حال میں ہے۔ سکر، غلبہ اور تنہائی اس مقام میں ہے لیکن یہ چمک اس کو اس سے بے خبر کر دیتی ہے اسے اپنے حال کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

بارہواں: نورِ سعادت اس پر کشف کیا جاتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر

یہ ہوتا ہے کہ وہ تمام چیزوں سے گزر جاتا ہے تاکہ سعادت اس کی مددگار بنے وہ تمام چیزوں سے کُلّی طور پر منہ پھیر لیتا ہے کیوں کہ ہر ایک نور پر دوسرا نور زیادہ غالب ہوتا ہے تاکہ آدمی قائم ہو جائے اور تاکہ اس چمک میں اسے حقّی اشارہ دکھایا جائے کہ "تو اپنے کام کے قدم پر زیادہ نظر مت کر"۔ اس طرح اس نور کا راز خود میں نہیں پایا جا سکتا۔

تیرھواں: نورِ وحدانیّت اس پر کشف ہوتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو ان تمام چیزوں سے تنہا دیکھتا ہے تاکہ کوئی چیز اس کے راستے کا تعلق نہ بنے وہ اس نور کا دیکھنے والا ہو اور اس ولایت کی طرف پشت کرنے والا ہو۔ یہ نور دل کی تمام حدود دکھاتے ہیں۔ اس دل کی کوئی ایسی مسافت نہیں ہے کہ وہ اس کے ارکان کو دیکھے، لیکن اس کے نزدیک وجد ایک رُکن ہے، وقت ایک رُکن ہے، حاضری ایک رُکن ہے اور محبّت ایک رکن ہے۔ اس کو اپنی آنکھ ان تمام سے اُٹھا لینی چاہیئے۔ اس وقت اس کا دل اس تنہائی میں تمیز اور تصرّف کرنے سے متحیر ہو جاتا ہے۔

چودھواں: نورِ جلال اس پر کشف ہو جاتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ جب فراق اس پر غالب آ جاتا ہے تو وہ اپنے وطن سے چل پڑتا ہے مگر دوست تک نہیں پہنچتا اور اس کی ان چیزوں کے دیکھنے کی خواہش کم نہیں ہوتی تو کہتا ہے کہ: "اگر تو ہم کو چاہتا تو اچھا دل اور اچھا وقت ہم سے نہ چھینتا"۔ اور یہ خود حق کی عنایت ہوتی ہے کہ اس کے دل کے نظارے سے قائم کرتا ہے نہ کہ دل کو اس سے استوار کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ دل کے واسطہ کو خود سے چھوڑ دے اور دعویٰ نہ کرے کہ میں حق کو دل سے دوست رکھتا ہوں۔ اس گروہ کے لوگ اسی وجہ سے دل پر فریفتہ نہیں ہوتے ہیں۔

پندرھواں نورِ عظمت ہے جو اس پر کشف ہو جاتا ہے۔ اس نور کا اثر اس پر یہ ہوتا ہے کہ تمام مقامات کی بزرگی اس کے نزدیک حقیر بن جاتی ہے اور وہ اپنی حقارت کو اس چمک سے دیکھتا ہے۔ تاکہ کوئی دل کی خواہش باقی نہ رہے اور وہ بیدار ہو جاتا ہے۔

رزقنا اللہ وایاکم مقام العارفین العاشقین

مؤلّف کے دیگر علمی کام

الف : تصوّف

۱۔ ابدالیہ (اُردو)

تصنیف : حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ
ترجمہ وتعلیقات : محمد نذیر رانجھا
لاہور : اسلامک بک فاؤنڈیشن ، ۴۸ص،
۱۳۹۸ھ - ۱۹۷۸ء

۲۔ بحرالحقیقۃ (اُردو)

تصنیف : حضرت خواجہ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ : محمد نذیر رانجھا
لاہور : عتیق پبلشنگ ہاؤس، ۹۶ص، ۱۹۸۹ء۔

۳۔ حورائیہ : جمالیہ (فارسی)

تصنیف : حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ
تصحیح : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : دانش (شمارہ ۱، بہار ۱۳۶۴خ - ۱۴۰۵ھ - ص ۳۴-۳۹)

فصل نامۂ راہنمائی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران ،
۱۹۸۵ء

۴۔ رسالۂ ابدالیہ (فارسی)

تصنیف :حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ
تصحیح وتعلیقات وپیشگفتار : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۳۰۰ص،
۱۳۹۸ھ - ۱۹۷۸ء

۵۔ رسالۂ اُنسیہ (فارسی ۔اُردو)

تصنیف : حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ
تصحیح وترجمہ وتعلیقات : محمد نذیر رانجھا
۱۔ اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان
۲۔ ڈیرہ اسماعیل خان : موسیٰ زئی شریف ، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، مکتبہ سراجیہ،
۱۱۲ص ، ۱۹۸۳ء ، طبع مکرر : ۱۹۸۵ء

۶۔ شرح اسماء اللہ (فارسی)

تصنیف : حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ
تصحیح : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : دانش
(شمارہ ۱ ، بہار ۱۳۶۴خ / ۱۴۰۵ھ
ص ۱۵ - ۳۳)
فصل نامۂ راہنمائی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران ، ۱۹۸۵ء

۷۔ شرح مثنوی معنوی (فارسی)

شارح : شاہ داعی الی اللہ شیرازی
تصحیح وپیشگفتار : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان
جلد اوّل : ۷۱۴ص، جلد دوم : ۶۰۰ص،
۱۹۸۵ء

۸۔ لمحات من نفحات القدس (فارسی)

تصنیف : شیخ محمد عالم صدیقیؒ
پیشگفتار وفہارس : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، ۶۶۶ص،
۱۹۸۶ء

۹۔ نسائم گلشن (فارسی)

شارح : شاہ داعی الی اللہ شیرازی
تصحیح وپیشگفتار : محمد نذیر رانجھا
اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان، ۴۲۸ص،
۱۹۸۳ء